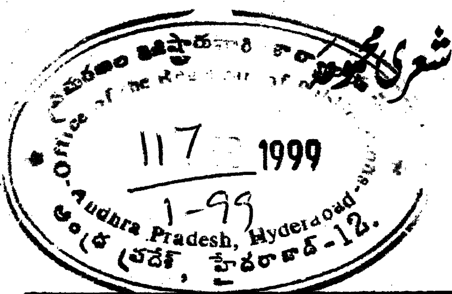
کِرن کِرن اُجالا

شعری مجموعہ



کیا آئینہ دِکھائیں کسی اور کو اے شوقؔ
آئینہ آج خود کو دِکھانے کا وقت ہے

مومن خاں شوقؔ

نام کتاب : کِرن کِرن اُجالا
شاعر : مومن خاں شوقؔ
تاریخ و سن اشاعت : ۳؍ اکتوبر ۱۹۹۸ء
تعدادِ اشاعت : پانچ سو
کتابت : محمد آصف حسین، مشیر آباد، حیدرآباد
طباعت : اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد
ناشر : بزمِ عثمانیہ جدّہ ۔ سعودی عرب
سرورق : ریاض خوشنویس
ترتیب و تزئین : صلاح الدّین نیّر
قیمت : -/۶۰ روپے

کتاب مِلنے کے پتے

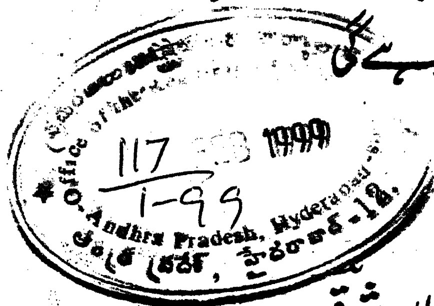
- عارف قریشی، صدر بزمِ عثمانیہ، جدّہ۔ سعودی عرب
- مومن خاں شوقؔ۔ اشرف وِلا، 723-3-11، ملے پلی، حیدرآباد ۱....
ٹیلی فون: 3343222

اِنتساب

اُردو زبان وادب کے اُن تمام بے لوث، پُرخلوص
خدمت گزاروں

کے نام

جن کی کاوشوں سے اُردو زبان آج زندہ ہے اور
کل بھی رہے گی



مومن خاں شوق

ترتیب و تزئین

غزلیں

ڈاکٹر علی احمد جلیلی

مومن خاں شوق

نفیس انسان۔ معتبر شاعر۔ خوبصورت شاعری

مومن خاں شوق حیدرآباد کے ان شاعروں کی صف میں ہیں جنہوں نے شاعری کے طویل سفر میں اپنے آپ کو خاصا متعارف کروالیا ہے۔ ان کا چوتھا شعری مجموعہ "کرن کرن اُجالا" اِسوقت میرے پیشِ نظر ہے جو غزلوں نظموں اور قطعات پر مشتمل ہے۔ لیکن شوق بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اور یہی ان کی پہچان ہے۔

غزل کو ہم چاہے کتنے ہی دُور کرلیں یہ حقیقت ہے کہ معاملات و مذاکرات غزل کا بیان ہر دوَر میں ہوتا رہا ہے۔ آزادی کے بعد غزل میں عصری رجحانات کو برتنے کا جو میلان پیدا ہوا اس کے جہاں اچھے اثرات مرتب ہوئے وہاں یہ بھی ہوا کہ غزل کی رومانیت دب کر رہ گئی تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بنیادی مضمون " ذکر اس پریوش کا " قدرِ مشترک کی حیثیت سے برقرار رہا۔ اس میں شک نہیں کہ وقت نے موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے آج شاعروں کو کئی خانوں میں بانٹ دیا ہے اس کے باوجود غزل کی غزلیت، اس کے مزاج کا احترام کرنے اور اسکی کلاسکیت سے رشتہ جوڑ رکھنے والے شاعروں کی تعداد میں کمی نہیں آئی ہے۔ مومن خاں شوق اسی سلسلے کے ایک معتبر شاعر ہیں۔

غزل، انتہائی مہذب جذبے اور خیال کے بنیادی تاثر کی سب سے ارتقاپذیر صنف کا نام ہے جس کے لئے اب کوئی موضوع یا مضمون غیر ممنوع نہیں رہا ہے۔

جنسی محبت کے علاوہ دوسرے موضوعات اس میں سموئے جا سکتے ہیں ۔ بشرطیکہ شاعر کے سوزِ دروں کی آنچ اس میں پختگی پا چکی ہو ۔ شوقؔ نے بھی اپنے آپ کو گرد و پیش سے با خبر رکھا ہے ۔ دورِ حاضر کی ناانصافیوں اور معاشرہ کے زوال کا ان میں احساس بھی ہے اور شعور بھی ۔ یہی وجہ ہے کہ رومانیت کے ساتھ شرافت و وضعداری کے اقدار کی شکست و ریخت کی جھلکیاں ان کے کلام میں ملتی ہیں انہوں نے کھردری حقیقتوں کو بھی بے نقاب کیا ہے اور اسطرح اپنی صلاحیتوں کا بھرپور احساس دلایا ہے ۔

شاعری کو زندگی کے تجربات کا نچوڑ سمجھنا چاہیئے اور اس نقطۂ نظر سے ان کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو اس خوشگوار حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ شوقؔ کی غزلوں کا جمالیاتی پہلو بہت زرخیز ہے اور جہاں وہ ایسی جمالیاتی اور روایتی احساس کی تکمیل کرتے ہیں وہاں انہوں نے جذبات نگاری کی شدت میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے ۔

جناب شوقؔ ترقی پسندیت یا جدیدیت کی الجھنوں میں بھی نہیں پڑتے اور نہ ہی وہ اس غزل کے ہمنوا ہیں" جو ایک بے کلچر معاشرہ کی پیداوار ہے ۔ چنانچہ فیشن زدگی کا شکار ہوئے بغیر انہوں نے اپنے مخصوص لب و لہجہ اور زبان و بیان کے اعتبار سے جس طرز و اسلوب کو اختیار کیا ہے اس میں روایتی فرسودگی کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ان میں تازگی اور لطافت کی وہ خوبیاں پیدا کی ہیں جو صنفِ غزل کو تقویت بخشتی ہیں ۔

زبان ان کی عام لب و لہجہ اور بول چال کی زبان سے قریب ہے ۔ غزل کے مخصوص رموز و علائم سے بھی کام لیا ہے ۔ کہیں کہیں تازہ علامتیں اور الفاظ کے نئے تلازمے بھی ملتے ہیں ۔ ابلاغ و ترسیل اور صاف گوئی کا یہ عالم ہے کہ اشعار کے اندر جھانک کر

دیکھنے کی زحمت نہیں ہوتی۔ ان کے اشعار راست دل و دماغ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اُردو شاعری میں غزل کے دوش بدوش نظم بھی اپنا مقام بنا رہی ہے۔ مومن خاں شوقؔ نے نظم نگاری سے بھی رشتہ قائم کر رکھا ہے۔ نظم بنیادی طور پر تاثر یا جذبے کے تجزیاتی مطالعہ کا ایک وسیلہ ہے۔ غزل کی امتیازی خصوصیت تجزیاتی مطالعہ نہیں بلکہ اجتماعی محاکمہ ہے۔ نظم کا بنیادی وصف گیرائی یعنی پھیلاؤ ہے۔ جبکہ غزل کا عمل ایجاز کاری ہے۔ غزل زمین سے اُٹھ کر آسمان کی طرف بڑھتی ہے جبکہ نظم جذبے اور ادراک کی زمینی طور پر آئینہ داری کرتی ہے۔

نظم اور غزل کے فرق کی ایک اور سطح ان کی ہیئت یا فارم ہے۔ غزل کی ہیئت مستحکم ہے لیکن نظم کسی ایک ہیئت یا فارم کی پابند نہیں ہے۔ ابتداء میں پابند نظمیں لکھی جاتی رہیں بعد میں مغربی اثرات کے تحت نظم کے نئے شعری پیکر وجود میں آئے۔ ان میں نظم آزاد کو سب سے زیادہ مقبولیت ملی۔ یہی ہیئت بہت برتی جارہی ہے۔ مومن خاں شوقؔ نے بھی اپنی نظموں کے لئے آزاد نظم کی ہیئت کا ہی استعمال کیا۔ "زندگی" "الجھن" "ذرا سوچئے" "مشورہ" کی نظموں کے عنوانات متنوع ہیں۔ یہ تنوع اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا مشاہدۂ زندگی بہت گہرا اور وسیع ہے۔ انسان کے سماجی رشتوں کی سچائی، پاکیزگی، سماج سے گہری وابستگی اور ان کی تعمیر و تشکیل میں جو عوامل کارفرما ہیں ان کے صحت مند پہلوؤں کو اپنی تخلیق میں شامل کر کے انہیں معنویت عطا کی ہے۔ ان نظموں کے پس منظر میں جو مقصدیت کارفرما ہے وہ تخلیقی ارتقاء کی دین ہے۔ اسلوب و طرز کہیں بیانیہ لئے کہیں مکالماتی ہے۔ بالخصوص نظموں کا اصلاحی پہلو شاعر کے دل کے نرم گوشوں کو اجاگر کرتا ہے۔ خوش آئند پہلو ایک یہ بھی ہے کہ ان نظموں کی تان مایوسیت یا قنوطیت پر نہیں بلکہ رجائیت پر ٹوٹتی ہے۔

مجھے یہ لکھتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ مومن خان شوقؔ ایک اچھے شاعر ہیں اور انہوں نے بہت خوبصورت شاعری ہمیں دی ہے۔ ○○ ڈاکٹر علی احمد جلیلی، یوسف خان پلاٹ

پروفیسر حبیب ضیاء
سابق صدر شعبۂ اردو کلیۂ اناث (جامعہ عثمانیہ)

مومن خاں شوقؔ کا کلام ہی اُن کا تعارف

مومن خاں شوقؔ، حیدرآباد کے ممتاز، بلند پایہ شاعر ہیں جن کی شہرت ملک اور بیرون ملک میں یکساں تسلیم کی جاچکی ہے۔ نظم کی مختلف اصناف پر انہیں کامل عبور حاصل ہے۔ حمد، نعت، نظم، غزل، قطعہ، اور دیگر اصناف میں طبع آزمائی کر کے اپنی خداداد شعری صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ مومن خاں شوقؔ کے تین شعری مجموعے (۱) بدلتے موسم (۲) چاندنی کے پھول (۳) نشاطِ آرزو چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں ان میں "بدلتے موسم" اور "چاندنی کے پھول" کو آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی نے ایوارڈ عطا کئے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ میں دو حمد، ۷ نعتیں، ۶۰ غزلیں، ۳۲ نظمیں کئی قطعات شامل ہیں۔ شوقؔ صاحب نے اپنی خداداد شعری صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کے لئے جہاں مختلف اصنافِ شاعری کا انتخاب کیا ہے وہیں بحروں کے انتخاب میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ چھوٹی اور بڑی ہر دو بحروں میں انہوں نے بہت عمدہ شعر کہے ہیں۔ ان میں رومانی، اخلاقی، سماجی، سیاسی اور دیگر کئی موضوعات شامل ہیں۔ چھوٹی بحر میں رومانی اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

اک حسینہ جو پاس آتی ہے
کتنی یادوں کو ساتھ لاتی ہے

نادر تشبیہ کا نمونہ دیکھیئے۔

ایک لڑکی دکن میں ملی شوقؔ کو
غالبؔ و میرؔ کی شاعری کی طرح

روز افزوں مہنگائی کا ذکر یوں کرتے ہیں ؎

روز بڑھتی ہوئی یہ مہنگائی ہر ضرورت کو جیسے ڈستی ہے

اکثر اشعار حُبّ الوطنی کے جذبے سے بھرپور ہیں۔ وطن پرستی کی اس سے عمدہ مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

یہ دکن کی سر زمیں کا سب سے روشن وصف ہے
جو بھی آتا ہے یہاں، وہ لوٹ کر جاتا نہیں

اس طرح شہر دکن کے تعلق سے یہ قطعہ ؎

بانکپن ہے آن ہے شہرِ دکن شاعری کی شان ہے شہرِ دکن
باہمی اخلاص کا مظہر ہے یہ پیار کا عنوان ہے شہرِ دکن

زندگی کی تفسیر مختلف شعراء نے مختلف طور سے کی ہے۔ مومن خاں شوق نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے، جانا ہے اور اُسے پرکھا ہے۔ اس کے بارے میں شوقؔ صاحب کے پاس فکر انگیز اشعار ملتے ہیں۔ ایک قطعہ ہے جس میں انہوں نے زندگی میں پائی جانے والی متضاد صفات کا یوں اظہار کیا ہے ؎

زندگی عظمت کردار بھی ہے زندگی لمحۂ سرشار بھی ہے
زندگی صرف مسرّت ہی نہیں زندگی کرب کا اظہار بھی ہے

مغرب کی اندھی تقلید کو شوقؔ کو ناپسند کرتے ہیں۔ فیشن کے نام پر عریانی کو بڑھاوا دینے والوں پر جگہ جگہ طنز کیا ہے۔ ایک شعر میں موجودہ فیشن پر انہوں نے اس طرح چوٹ کی ہے ؎

ایسی آندھی چلی ہے فیشن کی ہر طرف جیسے بے لباسی ہے

مقطعٔ غزل کی جان ہوتا ہے۔ تخلص کا استعمال خوبصورتی اور سلیقے سے کیا جائے۔ ذومعنی ہو یا اس میں ندرت ہو تو غزل شاندار کہلاتی ہے۔ شوقؔ نے ایک غزل

میں تخلص کے منفرد اور انوکھے استعمال سے مقطع کو شاندار بنا دیا ہے۔ مقطع میں شوقؔ کے ساتھ جی کا استعمال خوب کیا ہے ؎

آج تک زندگی کی بازی میں　　　شوقؔ جی کب کسی سے ہارے ہیں

ایک اور غزل کا مقطع ہے ؎

گھٹا کو دیکھ کے ساقی نے میکشوں سے کہا
جنابِ شوقؔ جو آجائیں تو دَورِ جام چلے

کہیں خود کلامی کا انداز انہیں شوقؔ صاحب کہہ کر مخاطب کرتا ہے ؎

شوقؔ صاحب! کہیے اب جائیں کہاں
جس طرف بھی جائیے ہیں سازشیں

مومن خاں شوقؔ نے جہاں غزل گوئی کے ذریعہ شعر و ادب کے سرمایے میں خوشگوار اضافہ کیا ہے وہیں بہترین نظمیں لکھ کر یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ اس صنف پر بھی کامل عبور رکھتے ہیں۔ نظموں کے موضوعات میں تنوع ہے بعض نظمیں خوبصورت الفاظ، نادر، اچھوتی تشبیہات کے استعمال کی وجہ سے شاہکار کہی جاسکتی ہیں۔ الجھن، زندگی کے نام، لکیریں، زندگی، نئے رشتے، موت کا رقص اور ایسی کئی نظمیں اس ضمن میں آتی ہیں۔

"ذرا سوچیے" دل کو چھو لینے والی نظم ہے۔ اس مختصر سی نظم میں ایک ایسی معصوم لڑکی کا ذکر ہے جس کے ہاتھوں انجانے میں گلاس ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لڑکی کو قابلِ معافی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اِس دنیا میں
کتنے ایسے لوگ ہیں اب بھی
جانے انجانے

اپنوں کے دل توڑ دیا کرتے ہیں ۔

اِس مجموعۂ کلام میں بعض اشعار ایسے ہیں جن سے نظیر اکبر آبادی کا رنگ جھلکتا ہے ۔ خصوصیت سے یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

زردار یا غریب، پریشاں نہیں ہے کون
سب کو جلال اپنا دکھاتی ہیں گرمیاں

مختصر یہ کہ مومن خاں شوقؔ اپنے مخصوص طرزِ سخن کے بناء پر میدانِ شاعری میں اُس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں تعارف کی کوئی گنجائش نہیں ۔ اُن کا کلام ہی اُن کا تعارف ہے ۔ قاری اُن کے کلام کی برجستگی سے متاثر ہوتا ہے اور زندگی کے جن حقائق کو انہوں نے پیش کیا ہے ان سے خود کو قریب پاتا ہے ۔ اس مجموعے کی اشاعت پر میں دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں ۔

پروفیسر حبیب ضیاء

صلاح الدین نیّر
مدیر "خوشبو کا سفر"

اپنی الگ پہچان رکھنے والا شاعر
مومن خاں شوقؔ

فکر و فن کی تہذیب کو جِلا بخشنے والوں، شعر و ادب کی محفلوں کو آراستہ کرنے والوں، معاشرہ کے خدوخال میں رنگ بھرنے اور زمین و آسمان کے باہمی ربط پر نظر رکھنے والوں کی زندگی کے تمام پہلو آئینہ کی طرح صاف و شفاف رہا کرتے ہیں۔ جو تخلیق کار، زندگی کی ہمہ رنگی کیفیات کو اپنے فن میں جذب کرتا ہے اُس کے اُجالوں کا سفر کامیابی کے ساتھ جاری رہا کرتا ہے۔ مشاہدات و تجربات کے علاوہ وارداتِ قلبی کو اپنے رنگ میں ڈھالنے والا قلمکار اپنی جولائی طبع کے جوہر دکھاتا رہتا ہے۔ جو شاعر اپنے فن کو ایمانداری کے ساتھ برتتا ہے وہ اپنی شاعری سے کچھ ایسی روشنی پھیلاتا ہے کہ معاشرہ میں پھیلے ہوئے دُھندلکوں کو بے اثر کر دیتا ہے۔ ایسے ہی باکمال، باہنر، باصلاحیت شاعروں میں ایک شاعر مومن خاں شوقؔ بھی ہیں۔ جو اچھے شاعر، نفیس انسان ہونے کے علاوہ اُردو زبان کی خدمت گزار بھی ہیں۔

مومن خاں شوقؔ اپنی ذاتی محنت اور شعر و ادب سے، اپنی شخصی دلچسپی کی وجہ سے شعری و ادبی محفلوں میں جسطرح ایک فعّال شخصیت کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں اُسی طرح اپنے باوقار شاعرانہ رویّے کی وجہ سے بھی اپنی الگ پہچان کے ساتھ اپنے وجود کو سرخ رُو بنائے ہوئے ہیں۔

مومن خاں شوقؔ کا شعری سفر تقریباً تیس برسوں سے جاری ہے۔ اِن برسوں میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا احساس دلاتے ہوئے، اُن کی اپنے فن سے

محبت بھی ایک اہم رول ادا کر رہی ہے۔ مومن خاں شوقؔ کا محبوب مشغلہ شعری و ادبی کتابوں کا مطالعہ ہی نہیں بلکہ مشاہدات و تجربات کو اپنے تخلیقی سفر کا اہم حصہ بنانا بھی ہے۔ مومن خاں شوقؔ اپنی عمدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے فن کی حرمت کی بھرپور پاسداری کرتے ہیں۔ ان کے اشعار، دل و دماغ کو یکساں متاثر کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں داخلی و خارجی پہلو، اپنی اپنی جگہ پر اپنا منصب ادا کر رہے ہیں۔ ان کے بعض اشعار معاشرہ کے تقاضوں کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ زندگی کے مختلف گوشوں پر اُن کی گہری نظر ہے۔ معاشرہ کے نشیب و فراز سے دامن کشاں نہیں رہتے۔ وہ معاشرہ کی بھیڑ میں رہ کر بھی اپنے فن کو نکھارتے ہیں۔ ان کی شاعری زندگی کی آئینہ دار ہے۔ جو شاعر اپنی پہچان کے لئے باوقار انداز میں اپنے فکر و فن کی منزلیں طے کر رہا ہے اُس کے قدم بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ جو قدم بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اُن کا سفر کامرانی کے ساتھ گزرتا رہتا ہے۔ مومن خاں شوقؔ نے جس سلیقے کے ساتھ اپنی زندگی کے شعبوں کو کامیاب راستے سے روشناس کراتے ہوئے جاری رکھا ہے اُن میں اُن کی مستقل مزاجی اور شائستہ روی کا بھی دخل ہے۔ شوقؔ صاحب محفلوں کے آدمی ہیں۔ محفلیں سجاتے ہیں بھی اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ اُصول پسندی، وقت کی پابندی، اعلیٰ کردار کی پاسداری اِن کا ذاتی وصف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی زندگی کا ہر لمحہ خوشگوار دکھائی دیتا ہے۔ شعر و ادب کی محفلوں میں اپنی شرکت سے اپنی عمدہ روایات کے ترجمان بنے رہتے ہیں۔ اپنی بہترین شاعری سے محفلوں میں خوشگوار تاثر پیدا کرتے ہیں۔ تحت اللفظ میں کلام سناتے ہیں لیکن اس انداز سے کہ ساری محفل متوجہ ہو جاتی ہے۔ ایک کامیاب شاعر کی حیثیت سے محفلوں میں جانے جاتے ہیں۔

مومن خاں شوقؔ کا کلام ملک بھر کے ادبی رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

شہر کے اردو اخباروں میں خاص طور پر "سیاست" میں اُن کا کلام زیادہ ہی شائع ہوتا رہتا ہے۔ ریڈیو، دوردرشن سے بھی ان کا کلام ہم تک پہونچ جاتا ہے مومن خاں شوق ایک منتظم مزاج شاعر کی حیثیت سے بھی ادبی حلقوں میں مشہور ہیں۔ اپنی ذمہ داری کو عمدگی کے ساتھ نبھاتے ہیں۔ مومن خاں شوق کے تین شعری مجموعے "بدلتے موسم" "چاندنی کے پھول" "نشاطِ آرزو" شائع ہو چکے ہیں۔

چوتھے شعری مجموعے "کرن کرن اُجالا" سے کچھ ایسے شعر جو مجھے زیادہ پسند آئے پیش ہیں۔

تم مصلحت پسند نہیں ہو تو کیا ہوا — ہر مصلحت پسند کسی کے اثر میں ہے

آئینے کی بات پر کیوں شوق حیرانی ہوئی — مان لو تم آئینے کو آئینہ جھوٹا نہیں

عجیب شخص ہے تنہا ملے تو کچھ نہ کہے — نظر بچا کے جو محفل میں دیکھتا ہے مجھے

سورجوں کی سازش نے ساگروں کو پی ڈالا — بوند بوند پانی کو مچھلیاں ترستی ہیں

کچھ لکیریں ہیں نیم روشن سی — ہے حقیقت کے خواب ہاتھوں میں

ایک لڑکی دکن میں ملی شوق کو — غالب و میر کی شاعری کی طرح

مجھے یقین ہے کہ مومن خاں شوق کا یہ مجموعۂ کلام "کرن کرن اُجالا" صاحبانِ فکر و فن کے دل و دماغ کو منور کرتا رہے گا۔

صلاح الدین نیر
مدیر "خوشبو کا سفر"

"کہکشاں" ملے پلی
حیدرآباد - ۱

ھاشم حسن سعید
سابق پرنسپل کالج آف لینگویجس

فکر و آگہی کا شاعر۔ مومن خاں شوقؔ

مومن خاں شوقؔ عصر حاضر کے شاعروں میں اپنی ایک الگ شناخت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے لہجہ کی انفرادیت، طرزِ ادا کے بانکپن اور ہندی آمیز زبان کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ موضوع کی ندرت، تجربہ اور مشاہدہ کی آمیزش، عصرِ آگہی، حسیت اور احساسات کی لطیف پیکر تراشی اور جذبات میں تموج کی بجائے ٹھہراؤ کے باعث اپنے معاصرین میں صاف پہچانے جاتے ہیں۔ بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہونے کے باوجود وہ ایک بلند پایہ نظم نگار بھی ہیں۔ ان کی شاعری میں کلاسیکیت، ترقی پسندیت اور جدیدیت کا جو حسین امتزاج ملتا ہے وہ ان کی شاعرانہ پہچان کے لئے بہت کافی ہے۔

غزل میں جہاں انہوں نے رنگِ تغزل کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا وہیں انہوں نے اس کے مضامین میں حسن کارانہ تنوع پیدا کر کے اُسکو زندگی کا ترجمان بھی بنایا ہے۔ جس سے غزل رومانیت اور حقیقت نگاری کا حسین سنگم بن گئی ہے۔ فیضؔ نے دستِ صبا کے دیباچہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ شاعر کا کام محض مشاہدہ ہی نہیں بلکہ مجاہدہ بھی اس پر فرض ہے۔ اس فرض کو شوقؔ نے بحسن و خوبی نبھایا ہے جس میں احتیاط ہے اور اعتدال بھی۔ وہ احتجاج کا ایک خاص سلیقہ رکھتے ہیں اور شاعری کی روح کو کہیں مجروح ہونے نہیں دیتے۔

ع ایک ہی وقت میں جل جائے تو اچھا ہے پتنگے | زندگی بھر کا سُلگنا نہیں دیکھا جاتا
ع سورج کی سازش نے ساگروں کو پی ڈالا | بوند بوند پانی کو مچھلیاں ترستی ہیں۔

غزل کی ایک مخصوص زبان ہوتی ہے۔ روایتوں کا پابند شاعر عام طور پر زبان کے حصار سے باہر نہیں نکلتا۔ لیکن مومن خاں شوقؔ نے اس روایت سے ہٹ کر ہندی الفاظ کے استعمال سے زبان کو وسعت دینے کی شعوری طور پر کوشش کی ہے اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

نظموں میں زبان کا تجربہ موضوع اور اسلوب کی تناسب سے زیادہ اثر انگیز اور دلنشیں

ہو گیا ہے۔ جس کا اندازہ ہم نظم "پرواز" اور پیاسی دھرتی" سے کر سکتے ہیں۔

شاعری اظہار و ابلاغ کا بہترین وسیلہ ہے۔ اس وسیلہ سے شاعر پیامبر بھی بن سکتا ہے اور مصور بھی۔ شوق نے اپنی شاعری سے پیامبری اور مصوری ہر دو کا کام لیا ہے۔ انہوں نے اپنے احساسات کی جس طرح تصویر کشی کی ہے، جذبات کو جس انداز سے الفاظ کا پیکر عطا کیا ہے اور تجربات و مشاہدات کو تخیل کی مدد سے جس طرح شعر کے حسین قالب میں ڈھالا ہے وہ اُن کے ایک مصور شاعر ہونے کی دلیل ہے۔ انہوں نے زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات سے اپنی شاعری کے تانے بانے بُنتے ہیں۔ نامور صحافی اور ڈرامہ نگار بلقیس علاؤالدین) کا یہ تجزیہ (دکن کرانیکل) میں بالکل درست ہے کہ "مومن خاں شوق" کی شاعری کے موضوعات روزمرہ زندگی میں رونما ہونے والے وہ معمولی واقعات ہیں جن سے ہم آئے دن دوچار ہوتے رہتے ہیں"۔ ان واقعات سے شعر کی صورت گری صرف اُسی وقت ممکن ہے جبکہ شاعر کا فہم و ادراک حقیقت آشنا ہو"۔ ذرا سوچئے "تیلی کی ضرو "جب سے تم میکے میں ہو"۔ اور "الجھن" شوق کے اسی آفاقی تصور اور بلندی فکر کا نتیجہ ہیں تخیل کی کار پردازی بعض جگہ تمثیلی رنگ بھی اختیار کر لیتی ہے جس سے مصور شاعر کا روپ سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اسکی اچھی مثال نظم "سوال" ہے"

مومن خاں شوق کا شاعری زندگی کی نقیب ہے۔ ان کا سماجی شعور اور سیاسی بصیرت غزل ہو یا نظم ہر جگہ شاعرانہ حسن لئے جلوہ گر ہوتی ہے۔ وہ امنگوں، حوصلوں، آرزوں، شوق اور ولولوں کے شاعر ہیں۔ جہاں کہیں انہیں زندگی سسکتی، ڈگمگاتی، نڈھال اور مضمحل نظر آتی ہے وہ اسے نیا حوصلہ دیتے ہیں۔ وہ اندھیروں کے نہیں اجالوں کے مسافر ہیں۔ ان کے نئے مجموعہ کلام کا نام "کرن کرن اُجالا" اور اس سے پہلے مجموعہ کا نام "نشاطِ آرزو" ان کے جذبات و مشاہدات کا آئینہ دار ہے۔ وہ زندگی سے فرار نہیں چاہتے بلکہ عزم و حوصلہ کے ساتھ اس کا سامنا کرنا چاہتے ہیں۔ اسلئے انکی شاعری میں ہر جگہ زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں اور تلخ حقیقتوں کے ساتھ رقص کناں ہے۔ نظم "زندگی کے نام" میں وہ کہتے ہیں ؎

چلو کے پھر سے میکدے میں، زندگی کے نام
منائیں جشنِ گُل یہاں ـــ

نظم "نئے آدرش" میں وہ ظلمتوں کا پردہ چاک کر کے روشنی کی کرن ڈھونڈ لاتے

اُجالا، کپکپاتا، کانپتا مدھم اُجالا
یقینِ صبح کی روشن علامت ہے

اِسی طرح ان کی نظمیں "نئے رشتے" "کس گوشے میں صبح بہاراں" اور "صبح کی منزل کی جانب" اس حوصلہ مندانہ پیام کی غماز ہیں۔ شوقؔ کے یہاں زندگی کا ایک واضح تصور ہے۔ یہ زندگی جہاں شعلۂ رخسار اور کرب کا اظہار ہے وہیں عظمتِ کردار بھی ہے۔ وہ ہر وقت نئے عزم اور اعتماد کے ساتھ جینے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ خود اعتمادی اور خود آگہی کا یہ تصور ان کی نظم "اعتماد" میں بھرپور طور پر ملتا ہے۔

خود بنیں خضر، چلیں جانبِ دل
نارسا وشت میں مہکائیں گلاب

غزلوں کے اشعار میں بھی یہی پیامبری ہر جگہ موجود ہے۔

دُور اور نزدیک کی اُلجھن مٹے
زندگی کرنے کا فن گر سیکھ لیں

پھر جلاؤ مسرتوں کا چراغ
غم کے شعلوں کو پہلے بھڑکاؤ

زندگی حادثوں میں پلتی ہے
مشکلوں سے کبھی نہ گھبراؤ

فصلِ گُل آئی ہے مہکیں گے تمنّا کے گلاب
نا اُمیدی میں بھی پلکوں کو بھگویا نہ کرو

زندگی ہے تو کٹھن پھر بھی نہ ہارا جائے
رنگ اِس زیست کا کچھ اور نکھارا جائے

غرض مومن خاں شوقؔ آرزوؤں اور مسرّتوں کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں پیامبری اور مصوّری اِس انداز سے ملتی ہے کہ لفظ و معنیٰ کی دوئی ختم ہو جاتی ہے۔

یکم اکتوبر ۱۹۹۸ء

ہاشم حسن سعید
سابق پرنسپل کالج آف لینگویجس

عارف قریشی
صدر بزمِ عثمانیہ (جدّہ)

بزمِ عثمانیہ جدّہ اور مومن خاں شوقؔ

بزمِ عثمانیہ جدّہ کا قیام ۲۱ر نومبر ۱۹۸۸ء کو عمل میں آیا ۔ جامعہ عثمانیہ کے قدیم طلبا کی یہ انجمن ہے ۔ یوں تو عرب ممالک میں عثمانین کثیر تعداد میں مقیم ہیں لیکن بزمِ عثمانیہ سے پہلے کسی نے بھی کوئی بزم قائم نہیں کی ۔ اِس طرح بزمِ عثمانیہ کو قدیم بزم ہونے کا اعزاز حاصل ہے ۔

بزمِ عثمانیہ جدّہ کے اہم اغراض و مقاصد میں دینی، علمی، ادبی، ثقافتی، سماجی، تعمیری سرگرمیوں کے علاوہ اردو شعر و ادب کی محفلیں آراستہ کرنا اور کتابوں کی اشاعت بھی شامل ہے ۔ یہ بزم نہایت کارکرد اور فعال ہے ۔ اِس بزم کی جانب سے تہذیبی روایات اور اعلیٰ اقدار کی پاسداری بھی کی جاتی ہے ۔

بزمِ عثمانیہ کے زیرِ اہتمام نہ صرف علمی، ادبی و شعری محفلوں کا ہی انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے بلکہ خیر مقدمی جلسوں اور تہذیبی تقاریب بھی سجائی جاتی ہیں ۔

بزمِ عثمانیہ سے وابستہ عثمانین نے نہایت دلچسپی اور اپنی والہانہ وابستگی کے ساتھ بزم سے اپنا رشتہ برقرار رکھا ہے ۔

مختلف شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے حیدرآبادی ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ وہ اپنی عمدہ صلاحیتوں کا بھرپور احساس دلا رہے ہیں ۔ نہ صرف حیدرآباد بلکہ اپنے ملک کا نام روشن کر رہے ہیں ۔

بزمِ عثمانیہ کی جانب سے پہلی کتاب ڈاکٹر حسن الدّین کی "سازِ مغرب" شائع ہوئی، دوسری کتاب مرزا شکور بیگ کی نعتوں کا مجموعہ "خوشبوے دند" ہے ۔ تیسری کتاب "فیضانِ رسول ﷺ" (مرتبہ صلاح الدین نیّر) جس میں حیدرآباد کے ۳۳ نمائندہ شاعروں کا نعتیہ کلام شامل ہے ۔ اب کی بار حیدرآباد کے نامور شاعر مومن خاں شوقؔ کا مجموعہ کلا

"کرن کرن اجالا" شائع کیا جارہا ہے۔ اِس کتاب کی اشاعت کے لئے بزمِ عثمانیہ نے جزوی رقمی تعاون کیا ہے۔

مومن خاں شوقؔ حیدرآباد کے نمائندہ شاعروں میں سے ایک ہیں جن کے شعر و نغمگی کی خوشبو ساری اُردو دنیا میں پھیل چکی ہے۔ شوقؔ صاحب صرف ایک شاعر ہی نہیں ہیں بلکہ اُردو کے ایک بے لوث خدمت گذار بھی ہیں جو زائدؔ از ۲۵ برس سے والہانہ وابستگی کے ساتھ شعروادب کی محفلوں سے وابستہ ہیں۔

حیدرآباد کی نہایت ہی فعال و کارکرد ادبی انجمن میرا شہر میرے لوگ" کے معتمد' ایوان پرنس معظم جاہ شجیع کے شریک معتمد اور ادارہ سوغاتِ نظر کے معتمد عمومی ہیں۔ نہایت خوش اخلاق خوش مزاج اور معتبر انسان ہیں۔

مومن خاں شوقؔ کی شاعرانہ صلاحیتوں سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ شعروادب کے دامن میں ہمہ رنگی پھول بکھیر دیں گے۔ مجھے یہ بھی توقع ہے کہ ان کے تیسرے شعری مجموعوں کی طرح "کرن کرن اجالا" بھی تمام ادبی حلقوں میں مقبولیت حاصل کرلے گا۔

عارف قریشی
صدر بزمِ عثمانیہ جدّہ

جدّہ
۵ر ستمبر ۱۹۹۸ء

اپنی بات

محمد قلی قطب شاہ کے شہر حیدرآباد میں جسے علمی وادبی گہوارہ کہا جاتا ہے زندگی کے سفر کے ساتھ ساتھ میری شاعری کا سفر بھی جاری ہے اور جاری رہے گا۔ میں گذشتہ زائد از ۲۵ برس سے شعر کہہ رہا ہوں۔ اس اثناء میں میرے تین شعری مجموعے "بدلتے موسم" (۱۹۸۱ء) "چاندنی کے پھول" (۱۹۸۷ء) اور "نشاطِ آرزو" (۱۹۹۳ء) شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے دو مجموعوں پر آندھرا پردیش اُردو اکیڈیمی کی جانب سے انعام مل چکا ہے۔ جنوری ۱۹۹۶ء میں ہفتہ وار "ہماری منزل" نے مومن خاں شوقؔ نمبر شائع کیا جسکو ممتاز شاعر جناب شفیع اقبال نے مرتب کیا تھا۔ میرا یہ چوتھا مجموعۂ کلام بزمِ عثمانیہ جدّہ (سعودی عربیہ) کی جانب سے شائع ہو رہا ہے۔ جس کے لئے میں دل کی گہرائیوں کے ساتھ جدّہ کی ادبی وتہذیبی سرگرمیوں کے روحِ رواں، صدرِ بزمِ عثمانیہ جدّہ جناب عارف قریشی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے مجموعۂ کلام کی اشاعت کے لئے پُرخلوص تعاون کرتے ہوئے میری ہمت افزائی کی۔ دیگر اربابِ مجاز بزمِ عثمانیہ جدّہ کا بھی ممنون ہوں۔

"کرن کرن اُجالا" میں تازہ کلام کے علاوہ نظرِ ثانی کے بعد اپنے دیگر مجموعوں کا کچھ منتخب کلام بھی شامل کیا گیا ہے۔ میں نے اپنی شاعری کے ذریعہ معاشرے کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کی ہے۔ زندگی کے مختلف گوشوں کو لفظوں کا پیراہن دیا ہے۔ میرے ذاتی خیالات، تجربات، جذبات، احساسات اور مسائلِ حیات میری شاعری کا محور رہے ہیں۔ "ادب برائے زندگی" میرا ادبی اعتقاد اور رویّہ ہے۔

شاعری کے ساتھ ساتھ، شعر وادب کی خدمت کے لئے بھی اپنے آپ کو وابستہ کر چکا ہوں۔ معتمد" ادارۂ میرا شہر میرے لوگ " معتمدِ عمومی" سوغاتِ نظر" اور شریکِ معتمد" ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیع" کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ مقامی اور اضلاعی مشاعروں کے علاوہ بعض کل ہند مشاعروں میں شرکت کرتا رہتا ہوں، خاص طور پر یادِ ٹیپو سلطان کا کل ہند مشاعرہ جو سری رنگا پٹنم (میسور) میں منعقد ہوا تھا یادگار حیثیت رکھتا ہے۔ شعری وادبی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۹۵ء اندرا گاندھی نیشنل یونٹی ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہوں۔ سابق صدر جمہوریہ حکومتِ ہند ڈاکٹر شنکر دیال شرما اور موجودہ نائب صدر جمہوریہ حکومت ہند جناب کرشن کانت کے علاوہ مرکزی و ریاستی وزراء کی موجودگی میں شعر سنا چکا ہوں۔

اس مجموعہ کی صورت گری، ترتیب، تدوین کے ہر مرحلہ پر مدیر" خوشبو کا سفر" جناب صلاح الدین نیر نے جس انداز سے میری رہنمائی کی ہے میں اُسکے لئے اُن کا شکر گذار ہوں۔ برِصغیر کے نامور شاعر، ادیب و نقاد استادِ سخن ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے اپنی علمی وادبی مصروفیات کے باوجود اس مجموعہ پر غائرانہ نظر ڈالتے ہوئے حوصلہ افزا تحریر سے سرفراز کیا ان کا ممنون ہوں۔

ممتاز طنز و مزاح نگار پروفیسر حبیب ضیاء سابق صدر شعبۂ اردو ویمنس کالج (جامعہ عثمانیہ) جنھوں نے اس مجموعہ کو اپنی تحریر سے نوازا ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کرن کرن اُجالا کے بارے میں مدیر" خوشبو کا سفر" جناب صلاح الدین نیر صاحب کی تحریر کا بھی ممنون ہوں۔

ممتاز دانشور و نقاد جناب ہاشم حسن سعید، سابق پرنسپل کالج آف لینگویجس نے بھی اپنی تحریر سے حوصلہ افزائی کی ہے میں اُن کا بھی شکر گذار ہوں۔ دیدہ زیب

سرورق کے لئے جناب ریاض خوشتر کا بھی شکر گزار ہوں۔ جناب محمد آصف حسین نے بہترین کتابت کے ساتھ اس کتاب کی ظاہری حسن میں اضافہ کیا جن کا شکر گزار ہوں۔ ان کے علاوہ اعجاز پریس کے مالک، نیک صفت پُرخلوص شخصیت جناب نور محمد کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جناب نور محمد اپنے مکمل تعاون و اشتراک سے بروقت کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سرِ انجام دیا کرتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ یہ شعری مجموعہ بھی ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کرے گا۔

یکم اکتوبر ۱۹۹۸ء

اشرف وِلاّ، ملے پلی
حیدرآباد

مومن خاں شوق

حمد

تیری ہی رفعت
تیری ہی عظمت
تیری ہی حشمت
تیری ہی قدرت ○ پروردگارا ہے آشکارا

سارے زماں میں
ہر دو جہاں میں
کون و مکاں میں
تیری ہی قدرت ○ پروردگارا ہے آشکارا

جسم سے جاں سے
نطق و زباں سے
شرح و بیاں سے
تیری ہی قدرت ○ پروردگارا ہے آشکارا

شام و سحر سے
بحر اور بر سے
علم و خبر سے
تیری ہی قدرت ○ پروردگارا ہے آشکارا

○

حمد

ہر ایک ذرّہ میں یکسر قیام تیرا ہے
تمام دہر میں روشن پیام تیرا ہے

ترے حبیبؐ کے ہم اُمتّی ہیں ہم پہ کرم
رحیم نام ہے، اونچا مقام تیرا ہے

نگار خانۂ ہستی، تجھی سے ہے روشن
ہر اک نظام سے بہتر نظام تیرا ہے

ترے ہی نام سے زندہ ہے کائناتِ وجود
ہر اک مقام سے برتر مقام تیرا ہے

ہر ایک لفظ، تقدس مآب قرآں کا
ہر اک کلام سے برتر کلام تیرا ہے

ترے کلام کے قرباں، تری عطا کے نثار
حیاتِ شوق کا منظر تمام تیرا ہے

نعت

اے رحمتِ عالم ایک نظر پر حالِ غریباں ہو جائے
یا درد گزر جائے حد سے، یا درد کا درماں ہو جائے

ہر سانس سے آئے بوئے وفا، ہر بات میں ہو جینے کی ادا
اک نشترِ یادِ شاہِ رُسل پیوستِ رگِ جاں ہو جائے

جب اشکِ ندامت اُبھریں گے، سرکارؐ کرم فرمائیں گے
برسے گا مسلسل ابرِ کرم، جب نفس مسلماں ہو جائے

کیا قولِ نبیؐ کی شرح کروں، کیا حُسنِ عمل ہو مجھ سے بیاں
اجمال میں حق بن جائے اگر تفسیر میں قرآں ہو جائے

دیدارِ مدینہ ہو جائے، برسوں کی یہ خواہش ہے دل میں
سرکارؐ کا ادنیٰ ہوں خادم، مجھ پر بھی یہ احساں ہو جائے

میں چاہوں کہ دنیا کی مشکل ہو جائے جو آساں مشکل ہے
اے شوق! دو عالم کی مشکل، وہ چاہیں تو آساں ہو جائے



نعت

سیدؐ کونین سے نسبت، جو دیوانے کو ہے
یہ اشارہ ہے کہ، اب بادِ بہار آنے کو ہے

عمر بھر کی بیقراری کو قرار آجائے گا
گنبدِ خضرا کا منظر، اب نظر آنے کو ہے

مومنو! کچھ سیرتِ انوارؐ سے بھی درس لو
کیا ریاضت اور عبادت، صرف دکھلانے کو ہے

احمدؐ مختار کا دامن نہ چھوٹے عمر بھر
ایک اک ساعت ہمیں، یہ بات سمجھانے کو ہے

یا محمدؐ مصطفےٰ! چشمِ کرم ہو شوقؔ پر
غم کا بادل گھر کے، اب میری طرف آنے کو ہے

نعت

سرخرو ہیں دنیا میں آج فیضِ نسبت سے
سربلند کل ہوں گے امتی شفاعت سے
قربِ حق کریں حاصل قربتِ رسالت سے
عرش کے مقابل ہے آستاں محمدؐ کا

آہِ دل کسی صورت عرش تک نہیں جاتی
روشنی بصیرت کی قلب تک نہیں آتی
اور دعا کسی صورت راستہ نہیں پاتی
واسطہ نہ ہو جب تک درمیاں محمدؐ کا

حادثے پشیماں ہیں اور سرنگوں طوفاں
چل رہی ہے تھم تھم کر نبضِ گردشِ دوراں
پاسبانِ قرآں ہے خود ہی خالقِ قرآں
حرف حرف ہوتا ہے جاوداں محمدؐ کا

نعت

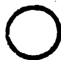
آج اُمّت ہے پریشان رسولِ عربی
کیجئے مشکلیں آسان رسولِ عربی

ہو جو دیدارِ مدینہ تو مقدر جاگے
ہے مرے دل کا یہ ارمان رسولِ عربی

ہوں گنہگار مگر آپ کا ادنیٰ ہوں غلام
آپ پر ہے مرا ایمان رسولِ عربی

اپنی اُمّت کے لئے آپ نے کیا کیا نہ کیا
آپ کا ہم پہ ہے فیضان رسولِ عربی

کچھ نہیں چاہیئے اب پاس ہی رکھیئے مجھ کو
کیجئے شوقؔ پہ احسان رسولِ عربی



نعت

فقط حضورؐ کا دیدار اور کچھ بھی نہیں
دل و نگاہ میں انوار اور کچھ بھی نہیں

غمِ حیات، نشاطِ حیات بن جائے
نگاہِ لطف ہو اک بار اور کچھ بھی نہیں

بس ایک بار ادھر بھی وہ چشمِ رحمت ہو
صدائے قلبِ گنہگار اور کچھ بھی نہیں

ازل سے آنکھوں کو دیدار کی تمنّا ہے
عطا ہو طاقتِ دیدار اور کچھ بھی نہیں

تھکا دیا ہے زمانے کے پیچ و خم نے ہمیں
ذرا سا سایۂ دیوار اور کچھ بھی نہیں

پکارتی ہے جسے نامِ شوق سے دنیا
حضورؐ کا ہے پرستار اور کچھ بھی نہیں



نعت

خاکِ پائے حبیبؐ ہو جاؤں ۔ تو بڑا خوش نصیب ہو جاؤں

اپنی حالت پہ رو چکا ہوں میں
حوصلہ اپنا کھو چکا ہوں میں
اب تو مایوس ہو چکا ہوں میں

خاکِ پائے حبیبؐ ہو جاؤں ۔ تو بڑا خوش نصیب ہو جاؤں

اب تو گرداب میں سفینہ ہے
مجھ میں اب بھی بڑا قرینہ ہے
غم اُٹھانا ہی میرا جینا ہے

خاکِ پائے حبیبؐ ہو جاؤں ۔ تو بڑا خوش نصیب ہو جاؤں

اُن کو میری خبر بھی ہو جائے
چشمِ رحمت اِدھر بھی ہو جائے
اِس دُعا میں اثر بھی ہو جائے

خاکِ پائے حبیبؐ ہو جاؤں ۔ تو بڑا خوش نصیب ہو جاؤں

نعت

عاصیوں کا سہارا حضورؐ آپ ہیں
ڈوبتے کا کنارا حضورؐ آپ ہیں

لاکھ بھٹکیں گناہوں کے جنگل میں ہم
رحمتوں کا اشارا حضورؐ آپ ہیں

ظلمتیں آپ ہی آپ گھٹنے لگیں
ایسا روشن ستارا حضورؐ آپ ہیں

سو سہارے نظر کے ہیں آگے مگر
میرے دل کا سہارا حضورؐ آپ ہیں

کیوں نہ ہم شوق سے نام لیں آپؐ کا
جان اور دل ہمارا حضورؐ آپ ہیں





شہِ انبیا ہیں ہمارے محمدؐ
حبیبِ خدا ہیں ہمارے محمدؐ
ہمیں آسرا آپؐ کا ہے تو کیا غم
کہ مشکل کشا ہیں ہمارے محمدؐ



عید

بہارِ بے خزاں ہے عید کا دن
گُلوں کا کارواں ہے عید کا دن
مسرّت رقص فرما ہر طرف ہے
نشاطِ جاوداں ہے عید کا دن



روزِ روشن، بہارِ صبحِ عید
روزہ داروں کو رحمتوں کی نوید
چاند کو ہم نے یوں بھی دیکھا ہے
چاند کی دید سے اپنے یار کی دید



لبِ شیریں پہ مسرّت کے ترانے آئے
عید آئی ترے ملنے کے زمانے آئے
دوست تو دوست ہیں، دشمن بھی گلے ملنے لگے
واہ کیا خوب، انوکھے یہ بہانے آئے



عیدِ قرباں

راضی بہ رضا رہنا
اور حق کی حمایت میں قرباں بھی ہو جانا
اس عید کا حاصل ہے :
اللہ کے بندوں کا جینا ہو کہ مرنا ہو
اللہ کی خوشنودی، انساں کا مسلک ہو
مومن کا وطیرہ ہو :
اولاد کی کیا وقعت، زرمال کی کیا وقعت
اللہ کے رستے میں قرباں جو کرتا ہے
درجات وہ پاتا ہے
اللہ کی رسّی کو مضبوط جو تھامو گے !
راضی بہ رضا ہو گے !
دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو، محبوبِ خدا ہو گے
اس عید کا اتنا ہی مفہوم ہے اے لوگو



منظر کھُلا کھُلا ہے، کمی تو نظر میں ہے
باہر تلاش جس کی ہے، وہ شئے تو گھر میں ہے

تم مصلحت پسند نہیں ہو تو کیا ہوا
ہر مصلحت پسند کسی کے اثر میں ہے

راہوں کے پیچ و خم سے بھلا کیا ڈرے گا وہ
منزل کی دھُن ہے اور مسافر سفر میں ہے

اب زندگی کے نام پہ اشعار کیا لکھیں
جلتی ہوئی حیات کا منظر نظر میں ہے

اونچائیوں کے خوف سے ہمّت نہ ہارئے
پرواز کا شعور ارادوں کے پَر میں ہے

اِس دورِ انتشار میں بھی جی رہا ہوں شوقؔ
ہر ایک لمحہ آج بھی اپنے اثر میں ہے





وقت کا کیا ہے، تقاضا نہیں دیکھا جاتا
عشق میں ادنیٰ و اعلیٰ نہیں دیکھا جاتا

ایک ہی وقت میں جل جائے تو پیچھا چھوٹے
زندگی بھر کا سُلگنا نہیں دیکھا جاتا

یہ شب و روز، یہ الجھن، یہ بدلتے منظر
رات دن کا یہ تماشا نہیں دیکھا جاتا

آئینہ دیکھ سکے، ہم خود کو نہ پہچان سکے
اپنے چہرے کا بکھرنا نہیں دیکھا جاتا

جانے حالات ہمیں اور دکھائیں کیا کیا
نسلِ نو کا یہ بہکنا نہیں دیکھا جاتا

شوقؔ اُس خواب کی تعبیر ملی ہے ایسی
اب کوئی خواب سُہانا نہیں دیکھا جاتا



سناٹا، آواز بنا ہے
درد کا یوں، اظہار ہوا ہے

یادوں نے جب لی ہے کروٹ
زخموں کا ہر بند کھلا ہے

اِس نگری کا رہنے والا
قتلِ وفا پر خوش لگتا ہے

ہاتھ میں خط ہے، کانپ رہے ہو
ایسا اِس میں کیا لکھا ہے

برسوں کی اُلفت کا رشتہ
اک لمحے میں ٹوٹ گیا ہے

ایک اک لمحہ جانے کب سے
اپنی منزل ڈھونڈ رہا ہے

شوقِ جنونِ عشق سلامت
زنجیروں کی کیا پروا ہے



چلچلاتی دھوپ ہے، وہ پیڑ کا سایہ نہیں
ہم نے سمجھایا بہت تھا، آپ نے سمجھا نہیں

مسئلہ کوئی بھی ہو، سنجیدگی درکار ہے
شدّتِ جذبات ہیں، بہنا کبھی اچھا نہیں

یہ دکن کی سرزمیں کا سب سے روشن وصف ہے
جو بھی آتا ہے یہاں، وہ لوٹ کر جاتا نہیں

اپنی منزل آپ طے کرنی ہے سب کو دوستو
راہ رَو چلتے ہیں، لیکن راستہ چلتا نہیں

میرے جانے کا گلہ، کیوں آپ کرتے ہیں جناب
میں تو رکنا چاہتا تھا، آپ نے روکا نہیں

اُن سے بچھڑے ایک مدت ہوگئی لیکن اے دوست
لاکھ چاہا میں نے دل سے نقش وہ مٹتا نہیں

آئینے کی بات پر، کیوں شوقؔ حیرانی ہوئی
مان لو تم بات میری، آئینہ جھوٹا نہیں



جُنوں ہے، جوش ہے اک ولولہ ہے
یہاں ہر ایک پتھّر بولتا ہے

مرُوّت، سادگی، اخلاص و اُلفت
ہماری زندگی میں اور کیا ہے

مُسلسل سنگ باری سہہ رہا ہوں
مرا احساس شاید مرگیا ہے

خموشی سے سُلگنا، اُف نہ کرنا
یہی شاید محبت کا صلہ ہے

نیا دن اک نئی اُفتاد لائے
عجب یہ خواہشوں کا سلسلہ ہے

کہاں کی خیریت بس جی رہے ہیں
یہی تو شوقِ جینے کی ادا ہے





پتّھر ہُوا کبھی تو کبھی آئینہ ہوا
کوئی تو یہ بتائے مرے دل کو کیا ہوا

اچھا ہُوا، بُرا ہُوا جو بھی ہُوا ہُوا
ہر شخص جی رہا ہے یہی سوچتا ہُوا

یہ وہ جگہ نہیں ہے، کہاں لے کے آئے ہو
یادوں نے ایک شہر بسایا تھا کیا ہُوا

جس سے بھی ملیئے اپنی انا کا اسیر ہے
اِس سوچ میں ہوں، آج کے انساں کو کیا ہُوا

اب فصلِ گُل کی کس سے یہاں گفتگو کریں
ہر شخص ہے وجود کا صحرا بنا ہُوا

یادوں کی انجمن میں وہ ہلچل مچی ہے شوق
جیسے کتابِ دل ہو، کوئی کھولتا ہُوا





آج اُن گلابوں کو لالیاں ترستی ہیں
بھولے بھالے انساں کو بستیاں ترستی ہیں

اب کے موسمِ گُل میں، کیوں خزاں چلی آئی
پھول پتیوں کو اب تتلیاں ترستی ہیں

سُورجوں کی سازش نے ساگروں کو پی ڈالا
بُوند بُوند پانی کو مچھلیاں ترستی ہیں

جوشِ سرفروشی میں جان جو لٹاتے تھے
ایسے ہی جیالوں کو سُولیاں ترستی ہیں

یوں تو باغِ ہستی میں آشیاں نہیں ہیں کم
اک مرے نشیمن کو بجلیاں ترستی ہیں

عدل کے لئے جس نے جان کی نہ پروا کی
شوقؔ ایسے منصف کو کرسیاں ترستی ہیں



سبق یہ بھی دیا ہے زندگی نے
کیا برباد پھولوں کو ہنسی نے

اندھیرے ہی غنیمت تھے ہمارے
ہمیں بھٹکا دیا ہے روشنی نے

ذرا ہوش و خرد سے کام لینا
بہت لوٹا ہے تم کو سادگی نے

ہوا انسان ہی، انساں کا دشمن
بھلا دی ہے شرافت آدمی نے

یہ اُن کی قربتوں کا ہے کرشمہ
ملایا ہے خودی سے بے خودی نے

ہزاروں غم دئیے ہیں شوق ہم کو
ہمارے دوُر کی دریا دلی نے





بیتی باتوں کو دل سے بھلا دیجیے
ہاتھ اب دوستی کا بڑھا دیجیے

میری اُلفت کا کچھ تو صِلہ دیجیے
یا بنا دیجیے یا مِٹا دیجیے

میں نے حق کی ہمیشہ ہی تائید کی
یہ خطا ہے تو مجھ کو سزا دیجیے

آج کے دُور کا ہے یہی تو چلن
آگ سُلگے تو اُسکو ہوا دیجیے

صرف باتوں سے مٹتی نہیں ظلمتیں
اک چراغِ محبت جلا دیجیے

جو سمجھتے ہیں خود کو بڑے پارسا
اُن کے ہاتھوں میں شوق آئینہ دیجیے





غم کو اپنا لیا جب خوشی کی طرح
کِھل اُٹھی زندگی چاندنی کی طرح

انجمن میں نہ ہونے سے اک آپ کے
روشنی تھی مگر تیرگی کی طرح

آپ کیا آئے گویا بہار آگئی
زندگی مسکرائی کلی کی طرح

ایک ایسی گھڑی بھی تو آئی یہاں
مل گئی جب اجل، زندگی کی طرح

یاد اُس کی دبے پاؤں آئی تھی دوست
میں ہی خاموش تھا بے بسی کی طرح

ایک چہرہ، پسِ آئینہ یوں مِلا
جیسے غنچہ کِھلا، نغمگی کی طرح

ایک لڑکی دکن میں ملی شوقؔ کو
غالبؔ و میرؔ کی شاعری کی طرح





ہم نے سب سے یہ کہا ہے لوگو
زندگی حسنِ ادا ہے لوگو

کوئی رنجور نہ رہنے پائے
صرف اِتنی ہی دُعا ہے لوگو

ہو سکے تو اُسے آباد کرو
کیا حسیں شہر لُٹا ہے لوگو

اب حقیقت سے کہو آنکھ مِلائے
خواب، افسانہ بنا ہے لوگو

شہر و صحرا کو بدلنے کے لئے
ایک دیوانہ اُٹھا ہے لوگو

نہ سزا ہے نہ جزا ہے کوئی
کیسی تہذیبِ وفا ہے لوگو

شوقؔ صاحب کی غزل کا انداز
عصرِ حاضر کی نوا ہے لوگو





اب بھی ہے آفتاب ہاتھوں میں
زندگی کا نصاب ہاتھوں میں

کچھ لکیریں ہیں نیم روشن سی
ہے حقیقت کہ خواب ہاتھوں میں

ہائے کیسا زمانہ آیا ہے !
شیخ صاحب ! شراب ہاتھوں میں

کاش ہم اس سے باخبر ہوتے
ہے عذاب و ثواب ہاتھوں میں

آج کی شاعری کی ریکھائیں
دیکھ لیجئے جناب ہاتھوں میں

مل ہی جائے گا شوق کو اک دن
روشنی کا حساب ہاتھوں میں





چاندنی رات کا منظر دیکھیں
اک حسیں نور کا پیکر دیکھیں

زندگی کتنی حسیں لگتی ہے
آپ زینے سے اُتر کر دیکھیں

کتنے احباب ہیں روشن روشن
محفلِ دوست میں چل کر دیکھیں

چاند، آنگن میں اُتر آیا ہے
آئیے ہم اُسے چھو کر دیکھیں

پہلے تاریک گھروں سے نکلیں
اور پھر اپنا مقدّر دیکھیں

بھولی یادوں کو جگانے کے لئے
اُن کی تصویر برابر دیکھیں

منزلِ شوق کو پانے کے لئے
آپ سا ہم کوئی رہبر دیکھیں





ہم نے غزل لکھی تو سخن بولنے لگا
لہجہ ہماری فکر کا رس گھولنے لگا

جلتی ہوئی حیات کے تیور کو دیکھ کر
فن کار کا خیال بھی پر تولنے لگا

اک شخص ہے حریف مگر نام کیا لکھیں
تحریر کے بدن میں کوئی بولنے لگا

قربت کی وادیوں میں مہکنے لگے نجوم
احساس خلوتوں کی گرہ کھولنے لگا

موسم بدل گیا کہ جنوں کام آ گیا
لے شوق پھر بہاریں دل ڈولنے لگا





حسابِ جفا اور وفا رہنے دیجئے
سوالِ سزا اور جزا رہنے دیجئے

میں پتھر سہی کیوں ہٹاتے ہو مجھکو
مجھے راستے میں پڑا رہنے دیجئے

کوئی راہ میں پھر بھٹکنے نہ پائے
سرِ راہ جلتا دیا رہنے دیجئے

کبھی کوئی خوشبو کا آئے گا جھونکا
دریچہ ہمیشہ کھُلا رہنے دیجئے

ہمیں بھی تو آتا ہے تم کو منانا
ابھی روٹھنے کی ادا رہنے دیجئے

یہ دُنیا کسی کی نہ تھی اور نہ ہوگی
یہ شکوہ، شکایت، گلہ رہنے دیجئے

نبھانا اگر شوق سے آپ کو ہے
جفاؤں کا یہ سلسلہ رہنے دیجئے





شعر و سخن کی شمعیں جلاتے رہیں گے ہم
ذہنوں کی ظلمتوں کو مٹاتے رہیں گے ہم

نغمے حیاتِ نو کے سُناتے رہیں گے ہم
ویران بستیوں کو بساتے رہیں گے ہم

دل دے کے، جان دے کے محبت کی راہ میں
کردارِ دوستی کا نبھاتے رہیں گے ہم

تاریخ میں لکھے گا، مورخ اسے بھی دوست
اک ایسا انقلاب بھی لاتے رہیں گے ہم

اِس شہرِ آرزو کی حفاظت کے واسطے
ہر آن اپنی جان لٹاتے رہیں گے ہم

دعویٰ ہے، جن کو اپنے سخن پر، کلام پر
آئینہ شوقؔ ان کو دکھاتے رہیں گے ہم





زندگی تو کہاں کی باسی ہے
کہیں خوشیاں کہیں اداسی ہے

ایسی آندھی چلی ہے فیشن کی
ہر طرف جیسے بے لباسی ہے

یوں تو رقصاں ہے یہ بہار مگر
پھر بھی دل میں مرے اُداسی ہے

رحمتوں کی گھٹا اُٹھے یارب
یہ زمیں مدتوں سے پیاسی ہے

بخشش بھی دے تجھے اسکو رحمت سے
شوق کی زندگی بھی پیاسی ہے





خزاں سے کہدو کہ دامن ذرا بچا کے چلے
تمام عمر بہاروں کی آگ ہی میں جلے

تمام عمر حوادث سے کھیلتے گزری
ہمیں نہ چھیڑو کہ طوفاں کی گود کے ہیں پلے

تمہاری یادوں کے ہر شام قافلے آئے
ہماری پلکوں پہ ہر شب نئے چراغ جلے

گزر نہ جاؤں حدِ انتظار سے آگے
تمہارے آنے سے پہلے کہیں نہ رات ڈھلے

گھٹا کو دیکھ کے ساقی نے میکشوں سے کہا
جنابِ شوقؔ جو آجائیں دورِ جام چلے





زندگی پیار کو ترستی ہے
آرزو ہم پہ روز ہنستی ہے

روز بڑھتی ہوئی یہ مہنگائی
ہر ضرورت کو جیسے ڈستی ہے

لب ترستے ہیں مسکرانے کو
غم سے آباد، دل کی بستی ہے

ذات، زن اور زمین کے جھگڑے
یہ تجارت بہت ہی سستی ہے

کل جہاں شوق پھول کھلتے تھے
آج وحشت وہاں برستی ہے





زرپرستی کا دَور دَورا ہے
پیار، اُلفت کتابی قِصّہ ہے

غم ہو اوروں کا آنکھ بھر آئے
آدمیّت کا یہ تقاضہ ہے

جس کی تعبیر مِل نہیں سکتی
زندگی ایسا ایک سپنا ہے

آج کا دن کسی طرح تو کٹے
کل بھی آئے گا کس نے دیکھا ہے

بھولا بِسرا وہ چاند سا چہرہ
جانے کیوں ذہن میں اُبھرتا ہے

شوقؔ حیرت سے دیکھتے کیا ہو
اُس نے جب آئینہ دکھایا ہے





اک حسینہ جو پاس آتی ہے
کتنی یادوں کو ساتھ لاتی ہے

آپ ہی آپ مسکراتی ہے
چاندنی پیار میں نہاتی ہے

قربتوں کے دیئے سلگتے ہیں
زندگی، جب بھی دل جلاتی ہے

بھیگے موسم، مہکتی خوشبو میں
ہر ادا جھوم جھوم جاتی ہے

آرزوؤں کے دیپ جلتے ہیں
وہ کچھ اس طرح گنگناتی ہے

شوق جب دھڑکنیں غزل خواں ہوں
خامشی بھی صدا لگاتی ہے





وہ اجنبی ہی سہی اب بھی جانتا ہے مجھے
گمان ہوتا ہے پہلے کہیں مِلا ہے مجھے

اب آ گئے ہو تو بیٹھو، خموشی بہتر ہے
میں جانتا ہوں ہر اک بات کا پتہ ہے مجھے

وہ جس کے بارے میں اِتنی حکایتیں پھیلیں
یہ اُس کا خط ہے اُسی نے ہی تو لکھا ہے مجھے

عجیب شخص ہے تنہا ملے تو کچھ نہ کہے
نظر بچا کے جو محفل میں دیکھتا ہے مجھے

نئی غزل کے در و بام کتنے روشن ہیں
کبھی کبھی تو یہ احساس بھی ہوا ہے مجھے

جنابِ شوقؔ کا کہنا بجا سہی لیکن
میں پوچھتا ہوں زمانے نے کیا دیا ہے مجھے





آدمی اب کہاں آدمی اِن دنوں
زندگی اب کہاں زندگی اِن دنوں

وہ مروّت، محبت کے دن کیا ہوئے
سادگی بھی کہاں سادگی اِن دنوں

روشنی کی ضرورت تو ہم سب کو ہے
روشنی اب کہاں روشنی اِن دنوں

یوں بظاہر تو ملتے ہیں اخلاص سے
دوستی اب کہاں دوستی اِن دنوں

وقت اور مصلحت کے تقاضوں کے بیچ
دشمنی بھی کہاں دشمنی اِن دنوں

وہ تو اک عالمِ شوق ہے چار سُو
شاعری بھی کہاں شاعری اِن دنوں





جس پر بھی تیری چشمِ مروّت ٹھہر گئی
اُس خوش نصیب شخص کی دنیا سنور گئی

تھی اتنی تیز روشنی ہم سہہ نہیں سکے
ہم دیکھتے بھی کیسے کہ تابِ نظر گئی

کب سے ترس رہا تھا میں اک بوند کے لئے
تیری نگاہِ لطف و کرم کام کر گئی

وقتِ سفر کچھ اِس طرح دیکھا تھا آپ نے
دل کی یہ کائنات تو پل میں بکھر گئی

ہم بھی وہی ہیں آپ کی ہستی بھی ہے وہی
لیکن حضور آپ کی چاہت کدھر گئی

اپنی انا کا پھر کوئی سودا نہ کیجئے
اے شوقؔ مصلحت میں تو اب تک گزر گئی





کون کس کو سمجھا ہے کون کس کو جانا ہے
سب کو فکر اپنی ہے کون ساتھ دیتا ہے

آج دل کی چوکھٹ پر، بے حسی کا پہرا ہے
خیر ہو محبت کی، سنگدل زمانہ ہے

جو بھی کام کرنا ہے، آج اسکو کر گزرو
سچ کہا ہے لوگوں نے، کل کو کس نے دیکھا ہے

مصلحت شناسوں نے مشکلیں کھڑی کر دیں
ایک ایک ذرے کو سنگِ رہ بنایا ہے

ایک آس جب ٹوٹی دوسری ہوئی پیدا
اک چراغ بجھتے ہی دوسرا سلگتا ہے

شوق دولت و ثروت سرخ رُو نہیں کرتے
سربلند ہیں وہ ہی، جن کا عزم اونچا ہیں





ظلمتِ شب کو، کچھ اِس ڈھب سے سنوارا جائے
غم کے آنگن میں نیا چاند اُتارا جائے

عجز و اخلاص کے جذبے کو اُبھارا جائے
اپنے دشمن کو بھی اب دوست پکارا جائے

زندگی ہے تو کٹھن پھر بھی نہ ہارا جائے
رنگ اس زلیست کا کچھ اور نکھارا جائے

ہم نے گیسوئے غزل کو تو سنوارا ہے مگر
گھر کے حالات کو کِس طرح سنوارا جائے

ملگجی شام، شبِ تار، دُھندلکا ہر سُو
چہرۂ صبح کو اب کیسے نکھارا جائے

شوق ہر موڑ پہ سنّاٹے کا عالم ہے وہی
دشتِ تنہائی میں اب کس کو پکارا جائے





ج اس طرح کریں بوجھ دلوں کا ہلکا
یں تجھے اپنی سناؤں، تو مجھے اپنی سُنا

ہم بھلا کس سے ملاقات کی خواہش کرتے
پنے ہی شہر میں ہر شخص تھا تنہا تنہا

ھوپ ڈھلنے دے ذرا، حبس تو کم ہونے دے
شام پھر لائے گی، مہکی ہوئی ٹھنڈی سی فضا

اک ذرا آنکھ لگی ہے، مجھے بیدار نہ کر
خواب رنگیں ہے ابھی خواب سے پردہ نہ اٹھا

جس طرف دیکھئے ملتی ہے، گھُٹن ذہنوں کی
ایسے ماحول میں رہنے سے بھلا فائدہ کیا

فلسفہ خوب ہے اِس زیست کا اے شوقؔ سُنو
زندگی ہے تو گھٹن پھر بھی یہ دیتی ہے مزا





نسل اور رنگ کا یہ فرق مٹایا جائے
پھر سے انسان کو انسان بنایا جائے

کون واقف ہے یہاں دل کی زباں سے یارو
کس کو افسانۂ محبت کا سُنایا جائے

دل کی دہلیز پہ سناٹا ہی سناٹا ہے
کس طرح پیار بھرا گیت سُنایا جائے

غم زمانے کے، الم زیست کے، اُن کی یادیں
دِل کے تہہ خانے میں کس کس کو چھپایا جائے

آؤ ہم رسم و روایت سے بغاوت کردیں
انقلاب ایک نیا دہر میں لایا جائے

دورِ جمہور میں ہر شئے تو نئی ہے لیکن
شوقِ ہر نقشِ کہن کیسے مٹایا جائے





یادوں کے بام و در سے اک چہرہ ضوفشاں ہے
رُت بھی ہے بھیگی بھیگی مستی بھرا سماں ہے

جسموں کی چاندنی میں پھُولوں کی داستاں ہے
چاہت کی بات کیجئے، اب رات بھی جواں ہے

غصّے میں بھی ہمیشہ لگتی ہو موہنی تم !
پلکوں پہ ماہ و انجم، عارض پہ کہکشاں ہے

احساسِ درد مندی انسان کا ہے جوہر
اخلاص ہو جہاں بھی، انسانیت وہاں ہے

فُرقت کی تیرگی میں اُمید کا اُجالا
بے درد سی فضاء میں یہ کون مہرباں ہے

وہ گیت ہو غزل ہو، وہ نظم یا رباعی
لہجہ ہے سب کا شیریں یہ شوق کی زباں ہے





پچھلے برس تو گزرے یونہی ہنسی خوشی میں
اُفتاد آ پڑے گی اکیسویں صدی میں

ماحول جل رہا ہے، ہر شئے سُلگ رہی ہے
موسم بدل رہا ہے، کیا لطف چاندنی میں

احساس، عزم، ہمّت جوہر ہیں زندگی میں
کیا کچھ نہیں ہے یارو، دو روزہ زندگی میں

سنجیدہ ہو گئے ہو کیا غور کر رہے ہو!
ویسے ہی ہم نے کہدی اک بات دلّگی میں

کتنے ہی تجربوں سے گزرا سخن ہمارا
اک شہرِ آرزو ہے اردو کی شاعری میں

فطرت شناس نظریں، ہر شئے کو جانچتی ہیں
ہم نے بھی شوق دیکھا اک حُسن سادگی میں





آج ہر اک دل میں اپنا گھر بنانا چاہیئے
نفرتیں آپس میں جتنی ہیں مٹانا چاہیئے

وہ جو ہونا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا دوستو
لاکھ غم ہوں دل میں پھر بھی مُسکرانا چاہیئے

زندگی کے واسطے ہم نے کئے سو سو جتن
موت پھر بھی موت ہے اس کو بہانا چاہیئے

مسئلہ کوئی بھی ہو سنجیدگی سے کام لو
شدّتِ جذبات میں ہرگز نہ آنا چاہیئے

ہے وطن میرے لئے اک آبروئے زندگی
اِس کی خاطر جان کی بازی لگانا چاہیئے

دوسروں کو آزمانے سے یہی بہتر ہے شوق
پہلے اپنے آپ ہی کو آزمانا چاہیئے





تم مجھے رکھ کے اپنے خوابوں میں
پھول بن کر رہے کتابوں میں

نظر آتی ہے اُن لبوں کی ہنسی
مُسکراتے ہوئے گلابوں میں

چشمِ مشتاق ڈھونڈ ہی لے گی
وہ چھُپے ہیں کئی حجابوں میں

اک حقیقت کی جستجو کرتے
زندگی کٹ گئی سرابوں میں

یہ کتابیں ھیں زندگی میری
پھول یادوں کے ہیں کتابوں میں

کر رہا ہے تلاش تم کو شوق
جام و ساغر کے ماہتابوں میں





گلشنِ زیست میں جب کوئی جوانی مہکی
جھوم کر آئی گھٹا رات کی رانی مہکی

زندگی میری گلستاں کی طرح کھِل اُٹھی
موسمِ گُل کی طرح تیری جوانی مہکی

داستاں آج مرے عشق کی یوں عام ہوئی
جیسے بُلبُل کی صدا بن کے کہانی مہکی

بے سبب میری طرف آپ نے ہنس کر دیکھا
بے ارادہ مرے جذبات کی رانی مہکی

آمدِ موسمِ گُل کر گئی ظاہر خوشبو
نام لیکر ترا کلیوں کی زبانی مہکی

زخم پہ زخم لگا شوقؔ! رہِ اُلفت میں
دل ہوا خون تو اشکوں کی روانی مہکی





دردِ اُلفت کی ذرا مجھکو دوا دے ساقی
اپنے بیمار کو جینے کی دُعا دے ساقی

میں نے بے ساختہ اپنوں سے محبت کی ہے
یہ اگر جرم ہی ٹھیرا تو سزا دے ساقی

کب تلک زیست اندھیروں میں بھٹکتی ہی رہے
ایک جھلک چاند سے چہرے کی دکھا دے ساقی

اچھے ماحول میں جینے کا ہنر یاد نہیں
مجھکو جینے کے کچھ انداز سکھا دے ساقی

کچھ نظر آئے نہ محفل میں مجھے تیرے سوا
اپنی محفل کو کچھ اِس طرح سجا دے ساقی

کم سے کم شوق سے، اک بار تو ملنے دے مجھے
اپنی محفِل سے نہ یوں مجھکو اُٹھا دے ساقی





زندگی کی حسیں تمنّاؤ
اور کچھ دم یہاں ٹھہر جاؤ

پھر جلاؤ مسرّتوں کا چراغ
غم کے شعلوں کو پہلے بھڑکاؤ

زندگی حادثوں میں پلتی ہے
مشکلوں سے کبھی نہ گھبراؤ

بزمِ یاراں میں جب اندھیرا ہو
پیار کے جگنوؤں سے چمکاؤ

ہم خزاں کو اسیر کر لینگے
تم بہاروں کو ساتھ لے آؤ

شوق رسوا نہ ہو غمِ جاناں
اشک آئیں تو اُن کو پی جاؤ





آپ خود راستہ بدلتے ہیں
سب کو ہم ساتھ لیکے چلتے ہیں

ایک مدّت سے خلوتِ دل میں
آرزو کے چراغ جلتے ھیں

ہم بھی وعدہ شکن کے وعدہ پر
رات بھر کروٹیں بدلتے ہیں

اُن پہ کیسے کریں بھروسہ ہم
بات پل بھر میں جو بدلتے ہیں

یہ ہے راہِ وفا بڑی مشکل
آپ کیوں میرے ساتھ چلتے ہیں

کس طرح شوقؔ اُن کو سمجھاؤں
اشک پلکوں پہ کیوں مچلتے ہیں





دیپ ہر سمت جلے ھیں یارو
اب تو حالات نئے ھیں یارو

فصلِ گُل اک نئے انداز سے آئی شاید
پھول ہر گام کھِلے ہیں یارو !

عظمتِ غم کا بھرم رکھنے کو
مُسکراتے ہی رہے ہیں یارو

میرے دل کی بھی کہانی سن لو
اس کے ابواب نئے ہیں یارو

اور کس کس سے نبھاؤ گے یہاں
دوست، دشمن سے لگے ہیں یارو

خود ہی تعظیم کو بڑھتے ہیں قدم
شوق سے بھی وہ بڑے ہیں یارو





یوں ہی چلتا رہے کارواں دوستو
ہو نہ پوری کبھی داستاں دوستو

آرزو دِل کی دل ہی میں رہ جائے گی
رُک گئی گر، یہ عمرِ رواں دوستو

اپنے بل پر ہی جینا پڑے گا یہاں
سب دکھاوے کے ہیں مہرباں دوستو

اب نشیمن کے شعلوں کو پَر لگ گئے
جل نہ جائے کہیں گلستاں دوستو

حادثے راہ سے خود ہی ہٹ جائیں گے
عزم و ہمّت اگر ہو جواں دوستو

شوق دیکھوں جو بزمِ طرب کی طرف
وقت دیتا ہے فرصت کہاں دوستو





صاحبِ اختیار ہیں ہم لوگ
صبح کا اعتبار ہیں ہم لوگ

ہر زمانے نے ہم کو دیکھا ہے
گوہرِ شاہ وار ہیں ہم لوگ

رات ہم سے پناہ مانگے ہے
روشنی کا فشار ہیں ہم لوگ

ساری مخلوق کو شرف ہم سے
حسنِ پروردگار ہیں ہم لوگ

کج کلاہی یوں ہی رہے قائم
ذی حشم، ذی وقار ہیں ہم لوگ

شوق ہم سے شعورِ فکر و نظر
آرزوئے بہار ہیں ہم لوگ





رات باقی ہے، ابھی کروٹ بدل
خواب کی پُرکیف وادی سے نکل

ہم نہیں کہتے کہ ہمّت ہار دے
بے یقینی کی فضا ہے تو سنبھل

ایک دن منزل تجھے مل جائے گی
جانبِ منزل یونہی بڑھتا ہی چل

آج ہی کرلے جو کرنا ہے تجھے
کیا بھروسہ زندگی ہوگی بھی کل

ہر قدم پر اک نیا دھوکہ سہی
چلنے والے ٹھوکریں کھا کر سنبھل

منزلِ جاناں تلک جائیں گے ہم
شوق اپنا تو ارادہ ہے اٹل





روشنی جھلملائے تو ہم کیا کریں
زخمِ دل مسکرائے تو ہم کیا کریں

یاد کی شمع، روشن رہے تا سحر
وہ اگر بھول جائے تو ہم کیا کریں

مسکرانے کی عادت بھی چھن جائے گی
زندگی زخم کھائے تو ہم کیا کریں

بے صدا زندگی گیت گانے لگی
تیرگی گنگنائے تو ہم کیا کریں

ہر خوشی اپنا دامن جھٹک کر اگر
اُس کے ہمراہ جائے تو ہم کیا کریں

نسبتوں کا اُفق پھیلتا ہی رہا
شوقِ غزلیں سنائے تو ہم کیا کریں





زخمِ دل ہم کو بولتے سے ملے
جب ترے غم کے سلسلے سے ملے

مُنھ چھپانے لگی ہے تنہائی
آئینے جیسے ٹوٹتے سے ملے

اُن سے مِلنے کی آرزو تھی مگر
وہ ملے بھی تو فاصلے سے ملے

ٹوٹتی ساعتوں کے طوفاں میں
لوگ کتنے ہی ڈوبتے سے ملے

زندگانی کی اُلجھنوں کے سبب
خود سے ہم بھی تھکے تھکے سے ملے

خود کو پانے کو جب چلے ہم شوقؔ
بھولی یادوں کے سلسلے سے ملے





بات بگڑی تھی بن کے آئی ہے
زندگی پھر سے مسکرائی ہے

اسطرح دل میں آپ آئے ہیں
جیسے مدّت سے آشنائی ہے

محوِ آرائشِ جمال ہے حُسن
عشق کی جان پر بن آئی ہے

آپ بیٹھے رہیں پسِ چلمن
عشق نے بھی نگاہ پائی ہے

بے خبر ہوں تیری محبت میں
کیا بھلائی ہے کیا بُرائی ہے

شوق کو اُن کا یاد فرمانا
نارسائی میں اک رسائی ہے





خزاں کا خوف کچھ کم ہو گیا ہے
نئی کونپل پہ غنچہ کھل رہا ہے

لگے ٹھوکر تو رُک کر سوچتا ہوں
کہ جیسے راستہ بالکل نیا ہے

محبت گر نہیں نفرت ہی کیجئے
ہمارے شہر میں سب کچھ روا ہے

کئی موسم یہاں آئے گئے بھی
مگر اب بھی کوئی سہما ہوا ہے

نہ جانے کون ہے اللہ جانے
کوئی ہمراہ میرے چل رہا ہے

تمہیں جو کچھ بھی اب کرنا ہے کر لو
سمے تو شوق بھاگا جا رہا ہے





زُلف کھولے ہوئے یوں بام پہ آیا نہ کرو
حُسن کا اپنے سرِ شام تماشا نہ کرو

اب تو ہر گام پہ رسوائی کا ڈر لگتا ہے
وہ جو اک بات ہے اُس بات کا چرچا نہ کرو

فصلِ گُل آئی ہے مہکیں گے تمنّا کے گلاب
نا اُمیدی میں بھی پلکوں کو بھگویا نہ کرو

تم ہر اک لفظ کو بے معنی نہ سمجھو لوگو
فن کی تقدیس پہ حرف آئے گا ایسا نہ کرو

بات کڑوی ہی سہی، سنتے ہی رہنا اے شوقؔ
تم کسی شخص کو سچ کہنے سے ٹوکا نہ کرو





آپ کیا آئے زندگی آئی
دلِ ویراں میں روشنی آئی

روشنی مہر و ماہ و انجم کی
میرے گھر میں کبھی کبھی آئی

کس نے اُلٹا نقاب چہرہ کا
چاند نکلا کہ چاندنی آئی

آپ کی سادگی پہ جانے کیوں
مجھ کو بے ساختہ ہنسی آئی

نذرِ فن شوق دل کا خون ہوا
تب کہیں مجھ کو شاعری آئی





جتنے آکاش پر ستارے ہیں
دل کے یہ زخم سب ہمارے ہیں

دل ہے کیا چیز جان حاضر ہے
آپ تو جان سے بھی پیارے ہیں

درد، لذّت، خوشی کہ رنج و الم
یہ مری زیست کے سہارے ہیں

آج کی شام بھی ہے تیرے نام
کتنے خوش رنگ یہ نظارے ہیں

آج تک زندگی کی بازی میں
شوقؔ جی، کب کسی سے ہارے ہیں





غم سے گھبرا کے آنکھ روتی ہے
آبروئے حیات کھوتی ہے

بحرِ رنج و الم میں مایوسی
کشتیٔ دل کو خود ڈبوتی ہے

یاد آتی ہے جب کبھی اُن کی
قلب میں روشنی سی ہوتی ہے

نیند آتی ہے جب ستاروں کو
زندگانی اُداس ہوتی ہے

شوقؔ اک آپ کے نہ ہونے سے
ساری محفل اُداس ہوتی ہے





دوستی ہے نہ دشمنی ہے ابھی
جانے کس بات کی کمی ہے ابھی

جو دکھائے گی دنیا دیکھیں گے
اپنی آنکھوں میں روشنی ہے ابھی

آپ سے اور کیا چھپانا ہے
ہونٹ پیاسے ہیں تشنگی ہے ابھی

اُنگلیاں کیوں اُٹھیں زمانے کی
آنکھ اُس شوخ سے لڑی ہے ابھی

تذکرہ شوق کا ہی ہوتا ہے
اُس میں کیا ایسی دلکشی ہے ابھی





زندگی اک کھلی سزا بھی نہیں
سلسلہ یہ مگر نیا بھی نہیں

پہلے ہر بات پر دعائیں تھیں
اتنی باتیں ہیں اور دعا بھی نہیں

آپ برسوں سے جانتے ہیں اُسے
وہ تو اپنا ہے دوسرا بھی نہیں

اُس سے ملتے ہوئے جھجکتا ہوں
یوں بظاہر تو فاصلہ بھی نہیں

شوقؔ کا نام جب سنا اُس نے
مسکرا کر کہا نیا بھی نہیں





جب ترا انتظار ہم نے کیا
خود پہ بھی اعتبار ہم نے کیا

اک ذرا شہرِ دل مہک جائے
تم پہ سب کچھ نثار ہم نے کیا

اُنگلیاں ہر طرف سے ہم پہ اُٹھیں
جب جنوں اختیار ہم نے کیا

فن کی خاطر نیا لہو دے کر
فکر کو شعلہ بار ہم نے کیا

شوقؔ ہنس ہنس کے ہر مصیبت پر
شکرِ پروردگار ہم نے کیا





اور کتنے دن یوں ہی تنہا رہیں
اب یہ سوچا ہے کہ اُس سے مل ہی لیں

تیرگی لکھتے رہے ہم عمر بھر
چاندنی کا تذکرہ بھی تو کریں

دُور اور نزدیک کی اُلجھن سے مٹے
زندگی کرنے کا فن گر سیکھ لیں

آپ جب سے آ گئے ہیں شہر میں
کتنی روشن ہو گئی ھیں محفلیں

شوقؔ صاحب! کہیے اب جائیں کہاں
جس طرف بھی جائیے ہیں سازشیں





ذکرِ دلداریٔ جاناں نہ لکھا ہے ہم نے
لوگ کہتے ہیں کہ افسانہ لکھا ہے ہم نے

جس کی دیوانگیٔ عشق سے رستے مہکے
صرف اُس شخص کو فرزانہ لکھا ہے ہم نے

خود ہی جلتا ہے نئی صبحِ تمنّا کے لئے
جذبۂ شوق کو پروانہ لکھا ہے ہم نے

ہم خرد مند تھے پھر کس لئے دھوکہ یہ ہوا
شہر والوں کو بھی دیوانہ لکھا ہے ہم نے

تم نے جن آنکھوں میں دیکھی ہے تھکن صدیوں کی
یوں ہے اُن آنکھوں کو پیمانہ لکھا ہے ہم نے

صبحِ اقرار تو چمکی ہے بصد شوقؔ، مگر
جلتی راتوں کا بھی افسانہ لکھا ہے ہم نے





شکستِ شام کا منظر، بھری بہار میں تھا
میں اپنے گھر میں بھی رہ کر کسی حصار میں تھا

میں اک غریب، وہ لاکھوں کے کاروبار میں تھا
میرا وجود مگر میرے اختیار میں تھا

کیا ہے اپنے ہی لوگوں نے پائمال مجھے
گلہ ہو کس سے کہ میں خود ہی اعتبار میں تھا

بہار کی جگہ کیسے خزاں چلی آئی
نُمو کا حوصلہ جب شاخِ برگ و بار میں تھا

نِکل سکا نہ وہ ظلمات کی کشاکش سے
سَحر کے واسطے وہ کب سے انتظار میں تھا

جو اپنی ذات میں اک انجمن رہا اے شوقؔ
بِکھر گیا تو وہ یادوں کی رہ گزار میں تھا





حوادثات کی زد سے سنور گیا ہے وہ
خود اپنی ذات کے اندر اُتر گیا ہے وہ

چمن چمن اُسے ڈھونڈا کئے کہیں نہ ملا
بہار بن کے اُٹھا تھا کدھر گیا ہے وہ

وہ میرے ساتھ رہا جب تلک اُداس رہا
فضاء میں رنگ کی صورت بکھر گیا ہے وہ

بہت دنوں سے وہ ہم سے ملا نہ خط لکھا
بہت ہی ڈھونڈا نہ جانے کدھر گیا ہے وہ

عجیب شخص ہے ہنستا ہے اور نہ روتا ہے
نہ جانے بات ہے کیا اِتنا ڈر گیا ہے وہ

نگاہ و دل میں اُسے میں بسا چکا تھا شوقؔ
مجھی سے آنکھ بچا کر گزر گیا ہے وہ





کونسی گلیوں سے ہوکر پاس آئی دیکھئے
بِن بُلائے یہ مصیبت کس نے لائی دیکھئے

کس قدر مہنگی پڑی ہے آپ کی یہ دوستی
آپ گر ہوتے تو' میری جگ ہنسائی دیکھئے

رفتہ رفتہ آپ کی خوشبو کی عادت پڑ گئی
عمر گزری آپ کا دستِ حِنائی دیکھئے

کل کے دن کی ہی طرح' یہ آج کا دن بھی کٹا
ہم سے ملتے کس نے یہ محفل سجائی دیکھئے

شوق کو مجرم سمجھ لینے سے پہلے دوستو
اِس چمن میں کِس نے پھر بجلی گرائی دیکھئے





سمجھنا دُور سے، اُس کو محال ہے کتنا
ملے تو ہم کو لگا، خوش خصال ہے کتنا

ذرا سی بات تھی، تم بدگمان ہو اب تک
اُس ایک بات کا، ہم کو ملال ہے کتنا

ہجوم میں بھی ٹھہرتی ہے بس اُسی پہ نظر
وہ سنگدل ہی سہی، خوش جمال ہے کتنا

عجیب لوگ ہیں، انسانیت کی قدر نہیں
انا پسندی کا، اُن کو خیال ہے کتنا

غموں کی دھوپ میں، رہ کر بھی مُسکراتا ہوں
میں جانتا ہوں کہ میرا کمال ہے کتنا

یہ نکتہ تجھکو سمجھ میں نہ آئے گا اے شوق
ترے عروج میں، پنہاں زوال ہے کتنا





آج ہر محفل میں ہے رسمِ وفا جلتی ہوئی
کونسے موسم سے ملتی ہے ہوا جلتی ہوئی

ایسی ٹھنڈک جس سے مل جاتا ہے نظروں کو سکوں
کون کہتا ہے کہ ہوتی ہے حنا جلتی ہوئی

اس جفا کے شہر میں کیا کیا نہیں ہے دوستو
بے وفائی ہے ہنر تو، ہے وفا جلتی ہوئی

کتنے ہی نعروں کو دی، جس نے زبانِ حُرّیت
میرے کانوں میں ہے، اب بھی وہ صدا جلتی ہوئی

نفرتوں کو بھول کر، جب ایک ہو جائیں گے شوقؔ
ختم ہوگی تب یہاں کی یہ فضا جلتی ہوئی





ظلمتوں میں پیار کے دیپک جلاؤ دوستو
لاکھ غم ہوں دل میں پھر بھی مُسکراؤ دوستو

دیش کے دشمن ہی کرتے ہیں بپا یہ شورو شر
بھول کر بھی اُن کی باتوں پر نہ جاؤ دوستو

ذات، مذہب اور زبانوں کے یہ جھگڑے کب تلک
ایکتا کے پھول گھر گھر میں کھلاؤ دوستو

مسئلہ کوئی بھی ہو سنجیدگی سے کام لو
شدّتِ جذبات میں ہرگز نہ آؤ دوستو

عزم اور تنظیم اب تو ہے تقاضا وقت کا
ہم قدم ہو کر قدم آگے بڑھاؤ دوستو

خون، ہندو ہے نہ مسلم، سکھ نہ وہ عیسائی ہے
تم نہ انساں کا لہو ہرگز بہاؤ دوستو





موسم بدل گیا ہے پھر آتی ہیں گرمیاں
پھر دیکھئے کہ دھوم مچاتی ہیں گرمیاں

تنہائیوں میں لطف نہ محفل میں ہے مزہ
وہ حبس ہے کہ ہوش اڑاتی ہیں گرمیاں

زردار یا غریب، پریشاں نہیں ہے کون
سب کو جلال اپنا دکھاتی ہیں گرمیاں

آنچل جھلس رہے ہیں تو چہرے اداس اداس
غنچہ لبوں کو خوب جلاتی ہیں گرمیاں

صحرا ہو یا کہ شہر کہاں ہے نجات شوقؔ
دیوانہ آدمی کو بناتی ہیں گرمیاں

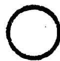


شہرِ دکن

بانکپن ہے آن ہے شہرِ دکن
شاعری کی شان ہے شہرِ دکن
باہمی اخلاص کا مظہر ہے یہ
پیار کا عنوان ہے شہرِ دکن



شہر اپنا قلی قطب کا چمن
اس کی مٹی میں ایک سوندھا پن
ہر قدم زندگی، خلوص، وفا
کس قدر دلنشیں ہے یہ آنگن



چارمینار جس کی دولت ہے
جامعہ سے بھی اسکی شہرت ہے
گولکنڈہ کی عظمتیں ہیں جواں
سارے بھارت میں اِس کی عزت ہے



سرزمینِ دکن

شوقؔ ارضِ دکن — یعنی میرا وطن
شاہدانِ چمن — گل رُخ و گلبدن
دلکش و خوبرو — چاندنی سے بدن
حُسن میں شوخیاں — عشق میں بانکپن
پیر ہوں یا جواں — سب میں مستانہ پن
ہندو مسلم یہاں — جیسے گنگ و جمن
یوں ہیں قومیں یہاں — جیسے پھولوں کا بن
گولکنڈہ ہنر — چار مینار فن
جامعہ کی مہک — رشکِ مشکِ ختن
مسکنِ اولیاء — مرکزِ علم و فن
کارناموں سے ہے — جگ میں نام دکن
تلگو، اردو یہاں — انجمن انجمن
شوقؔ رشکِ شفق
میرا رنگِ سخن

○

جشنِ آزادی

کروٹیں لینے لگی صبحِ بہارِ زرفشاں
آ گئی پھر ساعتِ آزادیٔ ہندوستاں

وہ سمن زاروں کی مستی جھوم اٹھّے زندگی
اور گلابوں کا وہ منظر داستاں در داستاں

یوں گلوں کے رُخ پہ ہے شبنم کی بوندوں کی قطار
دُور سے جیسے نظر آتا ہو رقصِ کہکشاں

جشنِ پھر آزادیٔ ہندوستاں کا جشن ہے
آج تو ہے نام سب کے دعوتِ پیر و جواں

جنگ سے نفرت ہے امن و آشتی اپنا شعار
جس کا عنواں پیار ہے وہ ہے ہماری داستاں

نغمۂ آزادیٔ ہندوستاں گاتے ہوئے
جانبِ منزل رواں ہے زندگی کا کارواں

ذرّہ ذرّہ سے وطن کے ہم کو بے حد پیار ہے
سارے عالم پہ عیاں ہے عظمتِ ہندوستاں

○

آؤ عہد کریں
(جشنِ آزادی کے موقع پر)

جشنِ آزادیٔ وطن کے لئے
ایکتا کے گلاب مہکائیں
ہر گلی، جشن ہو، چراغاں ہو
پیار کے گیت، امن کی باتیں
آگہی کے نئے وسیلے بنیں
اور ہم لوگ اِس طرح سے جئیں
شہر، دیہات، گاؤں بستی میں
زندگی کا شعور رقصاں ہو
آدمی، آدمی کو پہچانے.....
آدمیت کی قدر ہو ہر سُو
جہد و محنت پہ اعتماد بڑھے
کوئی بھوکا رہے نہ اور ننگا
کوئی جھگڑا رہے نہ اور دنگا
ہر نفس، شاد کام فرحاں ہو
شوقِ راہِ حیات آساں ہو۔

○

نئے عزم
(جشنِ جمہور کے موقع پر)

کھُلا پرچم جشنِ جمہور یارو
نئے سورجوں سے مقدّر سنوارو

نئے راستے ہیں، نئی منزلیں ہیں
اُجالوں سے نِکھری ہوئی محفلیں ہیں

فلک کے ستارے زمیں پر بچھاؤ
چلو اپنی دھرتی پہ چاندی اُگاؤ

قدم سے قدم آج ایسے ملاؤ
ترقی کی راہوں پہ بڑھتے ہی جاؤ

چلو اُس طرف کو جدھر روشنی ہے
بہاروں سے مہکی ہوئی زندگی ہے

وفا، دوستی اور رواداریوں کو
نہ روندو کبھی تم حسیں وادیوں کو

نیا عزم لے کر جیو شوق ہر دم
بدل جائے پل بھر میں نفرت کا موسم

ہولی کا تہوار

رنگوں کی پھلوار سے سجنی
رنگ بنا سنسار
نیلا، پیلا، اودا، لال
رنگوں کا دربار
جاگ گیا سنسار
ہولی کا تہوار
اِن رنگوں کو رنگ نہ سمجھو
مہکے اِن سے بستی بستی، نگری نگری اور دوار
یک جہتی، اخلاص، محبت، امن، مسرّت، پیار
رنگوں کی پھلوار سے مہکا اب کے برس گلزار
ہولی کا تہوار

○

احساس کی خوشبو

کھلے ہیں پھول کتنے ہی تمنّاؤں کی وادی میں
تمہارے قُرب کی خوشبو
صبا کے دوش پر صحنِ چمن میں جب مچلتی ہے
میں آنکھیں بند کرلیتا ہوں
کھو جاتا ہوں اگلی خوبصورت سی ملاقاتوں کے گلشن میں
تو لگتا ہے:
یہ جُوہی اور چمپا، موتیا، نرگس
تمہاری طرح جینے کی یہاں پر نقل کرتے ہیں
اِنہیں تم سے علاقہ کیا!
مرے احساس کی خوشبو! تم اک ایسا گُلِ تر ہو
مہک سے جس کی روشن ہے
مرے فن کا صنم خانہ

○

اُلجھن

میں دفتر سے چلا تھا
گھر کی جانب
راستے میں
کچھ خیالوں نے مجھے روکا
خیال آیا خریدوں گا
نیا نِکلس ، نئی ساڑی
پہ اِتنے میں مجھے "نسرین" کی چٹھی کی یاد آئی
لکھا تھا جس میں
مکتب کی کتابیں، کاپیاں، اسکول یونیفارم
آتے وقت لے آؤ،
میں حیراں سوچتا ہی رہ گیا
اگر گھر کا کرایہ، لانڈری والے کا بِل
اور لائٹ کا صرفہ
نہ جانے اور کیا کیا
خیر
میں گھر پر کھڑا ہوں اور
ہر وعدے پہ قائم ہوں
مجھے آواز دو
اندر بُلالو
ذرا اُلجھن سے جاں چھوٹے

موت کا رقص

بند اور کرفیو کے پس منظر میں

اپریل ۱۹۷۸ء کے نام

زندگی کرب میں سہمی سہمی
ہر قدم خوف و ہراس
دُور تک موت کے کالے بادل
آگ، شعلہ ہے، دھواں، چیخ، پکار
رائفل، وردیاں، سنّاٹا، جلن
سب کے چہرے پہ ہراسانی کے آثار ملے
زندگی جیسے نگوں سارے ملے
جس نے بھی دیکھے قیامت کے سے منظر دیکھے
ظلم بڑھتا ہے تو گھٹ جاتی ہے تقدیسِ وفا
خون بہتا ہے تو تاریخ پہ حرف آتا ہے
عہدِ جمہور میں انسان کی عظمت کے نقیب
کرفیو، ایسے مسائل کا مداوا ڈھونڈیں
بربریت کی فضا ختم ہو، مہکیں گلزار
پھر کوئی شہر، نہ صوبہ، نہ علاقہ کجلائے
دیس میں چاروں طرف پیار کا پرچم لہرائے۔

ذرا سوچیے

چھوڑو
اب جانے بھی دو
شاہین سے اگر پانی کا گلاس
چھوٹ گیا اور ٹوٹ گیا
غصہ میں اتنا مت مارو
وہ تو ہے معصوم سی لڑکی
اس دنیا میں :
کتنے ایسے لوگ ہیں اب بھی
جانے انجانے
اپنوں کے دل توڑ دیا کرتے ہیں .



پرواز

دل اک پنچھی
اُڑنے کو پَر تول رہا ہے
شاخ پہ کاگا بول رہا ہے
"جیون اک پرواز رے بابا"
ٹہنی ٹہنی اُڑتا چل
صحرا صحرا، پنگھٹ پنگھٹ
تیرا نشیمن کہیں نہیں ہے
خلا خلا میں اُڑتا چل
جیون تو بے انت سفر ہے
اُڑتا چل، اُڑتا چل

○

جب سے تم میکے میں ہو

در و بام چُپ
سنّاٹا، خاموش تنہائی
کرب، بے چینی، بے قراری
اور اُلجھن ـــــــ
کتابیں بکھری، بکھری
آئینوں پر گرد
سلوٹیں بستر پر
کپڑے میلے میلے
جب سے تم میکے میں ہو۔



پانی تیرے کتنے نام

امرت، زم زم اور گنگا جل
پانی
تیرے کتنے نام
آنسو، قطرہ، شبنم
یہ بھی تیرے نام
صحرا صحرا، گلشن گلشن
پنگھٹ پنگھٹ، ساغر ساغر
جیسے چھلکتے جام
پانی تیرے کتنے نام

○

صبح کی منزل کی جانب

چلو،
جب آئے ہو تو بیٹھو، دم تو لو
کہو، حالات کیسے ہیں ؟
سناؤ کچھ نئی باتیں !
سنو ہم سے بھی کچھ آخر
غمیں چہرے تھکن یا خود فراموشی
کئی باتیں، تمہیں دیکھا تو یاد آئیں
مگر پہلے : تر و تازہ تو ہو لو
چائے تو پی لو ـــــ
وہی حالات، اندیشے، وہی جھگڑے، وہی قصّے
ہٹاؤ بھی یہ سب باتیں
مسائل، اُلجھنیں، قضیئے
سمیٹو زندگی ایسے ـــــ
تبسّم کی کرن بُجھنے نہ پائے
چلو چلتے رہو حسنِ عمل کی رہگزر پر
چلو چلتے رہو تم صبح کی منزل کی جانب

○

مشورہ

پتھّروں کی بستی میں
چُپ رہو تو بہتر ہے
کچھ اگر کہو گے تم!
حرف لَوٹ آئیں گے
چوٹ دے کے جائیں گے



نئے آدرش

اُسے کیوں روکتے ہو
کوئی چُپ چاپ گھر کو جا رہا ہے
تمنّا کی چِتا کو آگ دے کر
اُدھر دیکھو، خرابے میں
وہاں کچھ پھول شائد جل رہے ہیں
اُجالا، کپکپاتا، کانپتا، مدھم اُجالا
یقینِ صبح کی روشن علامت ہے۔



بجلی

ماچس کی تیلی کو بچا کر رکھو
اور اُسے ڈبیا میں چھپا کر رکھو
بھروسا کیا، بجلی کا
جانے کب یہ دھوکا دے جائے
اور
جانے کب ظلمت میں
یہ تیلی کام آئے



نئی کونپل

تمنا کے گلستاں میں
نئی کونپل جو نکلی ہے
خدا رکھے، بھلی لگتی ہے
برگ و بار لے آئے
دعاؤں کا تو یہ موسم ہے لیکن
فقط احساس
رہ رہ کر اُفق زارِ تخیّل پر اُبھرتا ہے
بہاروں میں نشیمن جل گیا تو
نئی کونپل کا کیا ہوگا؟



پیاسی دھرتی

پیاسی دھرتی سارا پانی چوس چکی ہے
اور پیاسی ہے
بے بس آنکھیں، سوکھے چہرے
کارن کیا ہے؟
اے دھرتی پر بسنے والو
اپنے اپنے من کو ٹٹولو
جیون کی سوکھی بگیا میں
وِش مت گھولو، میٹھے بولو
بستی بستی، شہروں شہروں
کیسی ہاہاکار مچی ہے
اِس دھرتی پر بسنے والے،
گورے، کالے، بھوکے، پیاسے
محنت کش، مزدور، کسان
بچے، بوڑھے، بابو لوگ
پیاسے سب ہیں
اے جل داتا، اے جل دانی
پانی، پانی، پانی، پانی

لکیریں

لکیریں
آڑی، ترچھی
ملگجی، روشن عمودی
ہتھیلی کے چمن پر رقص فرما
برہمن کی طرح احوال بولیں
مسرّت، رنج وغم، خوشیاں
تمنّا، آرزو، حسرت
کئی نقشے، کئی منظر اُبھارے
بہت سے روپ کھینچے، رنگ چھوڑے
مگر میری لکیریں
خود مری تقدیر کا عکسِ دروں ہیں
لکیروں پر نہیں خود پر بھروسا ہے

○

زندگی کے نام

لہو لہو حکایتیں
یہ رنجشیں، یہ نفرتیں
دلوں سے دل کے فاصلے
غم و الم کے سلسلے
شکایتوں کے مرحلے
جو ختم ہوں تو زندگی
مہک چلے، بہک چلے
اُداسیوں کی اوٹ سے
وفا کی رہگزار پر، حیات پھر مچل اُٹھے
بدل رہی ہیں ساعتیں
سمٹ سمٹ کی آہٹیں
نشاط کار منزلیں
چلو کہ پھر سے میکدے میں، زندگی کے نام سے
منائیں جشنِ گُل یہاں

○

نئے رشتے

نئے رشتے، نئے بندھن، نیا گھر
نئے حالات سے پھر سابقہ ہے
یہی کچھ اب سے پہلے بھی ہوا ہے
ازل سے تا ابد ہوتا رہے گا۔
یہی سب کچھ:
اگر ماحول سے رشتہ بنانے میں خرد اُلجھے
تو اُلجھن
رفتہ رفتہ خود سُلجھ جائے گی، تم غمگیں نہ ہونا
بہار آئے گی، غنچے مسکرائیں گے
تمنّا کے دریچے کھول دو
شاید یہاں
تازہ ہوا آئے
نئے ماحول میں احساس کا شُعلہ تو روشن ہو

○

زندگی

زندگی وقت کی آواز کبھی
اپنی ہمراز کبھی
سوز کبھی، ساز کبھی

یہ کبھی رنج والم
اور کبھی حُسنِ وفا
باب در باب حکایت روشن

زندگی شعلۂ رخسار بھی ہے
زندگی کرب کا اظہار بھی ہے
زندگی عظمتِ کردار بھی ہے
دستِ محنت میں مروّت کا گگن
ظلمتِ غم میں اُجالوں کا چمن
اِس سے روشن ہے سُخن کا آنگن

○

اعتماد

کس کے ہمراہ چلیں
خضر بنائیں کس کو
ہم کہ حبس دشتِ بلا میں ہیں اسیر
رات ہی رات ہے یاں سایہ فگن
کوئی مہتاب، نہ جگنو نہ کوئی اپنا رفیق
جیسے خاموش سمندر کی طرح تنہائی



صبح کے شہر کو چلنا ہے
کٹھن ہے رستہ
اور منزل
کہ ذرا فاصلۂ فکر و نظر تو مٹے
انتظار اور کہ قدموں پہ بھروسہ ہے ہمیں
خود بنیں خضر، چلیں جانبِ دل
نارسا دشت میں مہکائیں گلاب

آئینے کے دو پہلو

یہ ظالم لوگ
ظلم کرنا جانتے ہیں
اِن کے دل میں
محبت، خلوص، انسانیت کہاں
اس لئے تم
اینٹ کا جواب
پتھر سے دو



ظالم سے بھی
خلوص و محبت سے
اِسطرح پیش آو
کہ وہ ظلم چھوڑ کر
راہِ انسانیت اختیار کرے۔



جب صبح کا آنچل ڈھلکے

لفظوں سے مفہوم نکالو
معنیٰ کے آئینہ خانے
بجھے بجھے ہیں:
چُپ کیوں ہو؟
تخلیق کی اُلجھن
پہلو پہلو گرمِ سخن ہو
نغمہ گونجے
یا پھر کوئی شور ہی اُٹھے
دھڑکن جاگے
پھول کھلیں، کلیاں مسکائیں
یہ سب، تب ہی ممکن ہے
جب صبح کا آنچل ڈھلکے گا۔

○

تمہارے قُرب کی خوشبو

تمہارے قُرب کی خوشبو
خیالوں کے دریچوں سے
دبے قدموں چلی آکر
مرے سوئے ہوئے
احساس کو اکثر جگاتی ہے
ملاقاتیں، مدارائیں، وہ باتیں
وہ جواں باہیں
بہت ہی خوبصورت حادثے
رہ رہ کے یاد آتے رہے شب بھر
مگر ایسے میں تم آجاؤ
تو تنہائی کا یہ صحرا مہک جائے۔

○

سوال

اپنے پنجرے میں قید اک پنچھی
کھویا کھویا ' اداس' رنجیدہ
مجھ سے اکثر سوال کرتا ہے
تم مرے دوست ہو تو بتلاؤ
آج حالات منجمد کیوں ہیں ؟
زندگی ' تہمتِ وفا کیوں ہے ؟
دُور تک بس دھواں دھواں کیوں ہے !
میں بھی قیدی ہوں ' تم بھی قیدی ہو
"کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے"
کوئی مجھ سے سوال کرتا ہے

○

رُت جو بدلی تو

رُت جو بدلی تو یادوں نے اُلجھا دیا
رات پھر اور تنہا سی لگنے لگی
ایک اک کر کے پرچھائیں دل کے قریں
جیسے ڈسنے کی خاطر ہیولا بنیں :
اور بنتی گئیں ؛
ہم نے موسم کے پَر نوچ ڈالے تو تھے
کونپلیں پھر اُگیں، پات پھر آ گئے
اور پھر ہم سرابوں میں مارے گئے
زندگی : اک تماشہ سہی دوستو
ہم تو واقف تھے پھر کیوں ستائے گئے
کوئی بتلائے اصلِ حقیقت ہے کیا؟

○

بہادر شاہ ظفرؔ

وہ پہلا سُورما
جس کی بزرگانہ قیادت نے
وطن کو بیکراں عظمت عطا کی
اور آزادی کی دولت سے نوازا
وہ ایسا حکمراں ـ
جس کی دِلوں پر حکمرانی تھی
شرافت کا نمونہ اور رواداری کا سرچشمہ
فقیر و بادشاہ، شاعر
جسے غربت میں بھی یادِ وطن رنجور کرتی تھی
حدیثِ دل کو زنداں کے در و دیوار پہ لکھ کر
بہادر شاہ نے ہندوستاں کی آبرو رکھ لی
ظفرؔ کو ہم، بصد اخلاص ہر دم
یاد رکھیں گے۔

○

ابوالکلام آزاد

ابوالکلام کی بدرِ منیر آزادی
طلوعِ صبح تمنّا، نشاطِ دیدہ ودل
خلوص، پیار، وفا، آشنا طریق تمام
وہ اپنی قامتِ زیبا میں جیسے حسنِ یقیں
ابوالکلام خطابت کا بے بدل پیکر
ابوالکلام سیاسی شعور کا منظر
ابوالکلام فصاحت کا تیز رَو دریا
ابوالکلام ثقافت کی موجِ بے پایاں
ابوالکلام مجسم شرافتِ مشرق
وہ روشنی جسے صدیاں تلاش کرتی ہیں
ہمارے عہد کا ورثہ بنی ہے، ہم میں ہے۔

○

پنڈت جواہر لعل نہرو

نہرو، نئی سحر کے اُجالے کا نام ہے
بے باک و دردمند جیالے کا نام ہے
ظلمت میں روشنی ہے نویدِ سحر بھی ہے
اخلاص اور وفا کے شولے کا نام ہے



نہرو، جدید ہند کا معمارِ اوّلیں
وہ روشنی نواز چمکتی ہوئی جبیں
وہ شانتی کا دوست ہے اور امن کا امیں
ہے شخصیت بھی سب سے دلآویز، دلنشیں



نہرو حیاتِ نو کی ایک ایسی کتاب ہے
جس کے ورق ورق پہ شگفتہ گلاب ہے
اُس کا ہر ایک لطف و کرم بے حساب ہے
آزادیٔ وطن کا وہ زرّین باب ہے



یادِ زورؔ

(ڈاکٹر زورؔ کی ۴۱ ویں برسی کے موقع پر)

اُجالے کی اِسی بستی، اِسی اُردو کے ایواں میں
رسالوں میں، کتابوں میں، نوادر شاہ کاروں میں
اُسے ہم نے کچھ اِس اندازِ دلداری سے دیکھا ہے
کبھی لکھتے ہوئے افسانۂ عہدِ تمنّا کو
کبھی تاریخِ مہر و مہہ رقم کرتے
کبھی نقد و نظر میں منہمک: تحقیقِ دکنی میں کبھی مصروف
دکن کے ذرّہ ذرّہ سے محبت تھی:
لکھوں تو کیا لکھوں عاجز قلم، زورِ بیاں کم کم
جو اپنی ذات میں علم و ادب کا ضو فشاں پرچم
اُسے اک عہدِ گل لکھوں، اُسے اک مدرسہ لکھوں
اُسے گنجینۂ گوہر لکھوں، حسنِ عطا لکھوں
اُسے ہم نے کچھ اِس اندازِ دلداری سے دیکھا ہے:
دبستانِ دکن کا وہ معلّم، علم و دانش کا خزینہ تھا
وفا کی سرزمیں پر کوہِ نور ایسا نگینہ تھا۔

○

ادب نواز شخصیت عابد علی خان کی یاد میں

ادب کے پاسبان تھے
وہ ایکتا کی آن تھے
رہے زمین کی طرح
مگر وہ آسمان تھے



صحافت اور سیاست کے
تھے عابدؔ ہی حسیں پیکر
وہ حق گوئی کے شیدائی
وہ بے باکی کے تھے مظہر



نذرِ محبوب حسین جگر

روایتوں کا گلستاں، شرافتوں کی انجمن
وہ جسکی زندگی تمام، حوصلوں کا بانکپن
وہ رازدارِ علم و فن، ادب نواز شخصیت
یہاں پہ جسکی زندگی، بکھر گئی کرن کرن



بہ یادِ شاذ تمکنت

محفلِ شعر و سخن نم دیدہ ہے
شاذ سا ماہِ منوّر چل بسا
جس کے دم سے شہرِ دل آباد تھا
کیا کہیں کیسا سخنور چل بسا



قطعات

دل کسی کا بھی دُکھانا کیا یہ اچھی بات ہے
دوسروں پر مسکرانا کیا یہ اچھی بات ہے
اپنے گھر میں روشنی کرنے کی خاطر دوستو
گھر پڑوسی کا جلانا کیا یہ اچھی بات ہے



ظلمتوں میں پیار کی شمعیں جلانا چاہیئے
وہ جو رُوٹھے ہیں اُنہیں پھر سے منانا چاہیئے
توڑنے کو دل کسی کا، ایک پل درکار ہے
جوڑنے کے واسطے لوگو زمانہ چاہیئے



ہر لمحہ آج خود کو جگانے کا وقت ہے
اک انقلاب دہر میں لانے کا وقت ہے
کیا آئینہ دکھائیں کسی اور کو اے شوق
آئینہ آج خود کو دکھانے کا وقت ہے



قطعات

شمعِ اخلاص و محبت کو جلائے رکھنا
جذبۂ شوق کو ہر وقت جگائے رکھنا
شوقؔ! صحرا میں بھی مہکاؤ تمنّا کے گلاب
اپنی تہذیب کو ہر حال بچائے رکھنا



یہ شہرِ مروّت ہے، قطب شاہ کی عظمت
اخلاص کی دولت ہے، قطب شاہ کی عظمت
یک جہتی، رواداری سے تم اس کو سنوارو
یہ پاسِ محبت ہے، قطب شاہ کی عظمت



تمدّن کا زباں کا پاسباں ہے
مذاہب کا یہ درسِ جاوداں ہے
رشی، بدھ، رام، لچھمن، کرشن، خواجہؒ
مرا ہندوستاں جنّت نشاں ہے



قطعات

حالات کے پتھراؤ میں جینے کی ادا دو
ماحول کو تم اپنے تبسّم کی ضیا دو
یہ روز کے جھگڑے، یہ تعصّب، یہ تصادم
انسان کو انسان سے، اک بار مِلا دو



غمِ حیات کا میں جشن یوں مناتا ہوں
ہر ایک زخمِ تمنّا پہ مُسکراتا ہوں
سکونِ دل کی مجھے اب نہیں کوئی حاجت
میں اضطرابِ مسلسل سے چین پاتا ہوں



جب بھی غم کا نیا سلسلہ بن گیا
میرے جینے کا اک راستہ بن گیا
زہرِ غم دشمنوں نے دیا تھا مگر
یہ خدا کا کرم ہے دوا بن گیا



قطعات

دردِ احساس دلائے تو غزل کہتا ہوں
پھول چہرہ نظر آئے تو غزل کہتا ہوں
حادثہ زیست کا یا موت کا کوئی منظر
میری آنکھوں میں سمائے تو غزل کہتا ہوں



زخمِ دل جب بھی صدا دیتا ہے
آتشِ غم کو ہوا دیتا ہے
دشتِ تنہائی میں احساس ترا
بھولی یادوں کو جگا دیتا ہے



پھول کانٹوں میں مسکراتا ہے
رازِ جینے کا یہ بتاتا ہے
عصرِ حاضر کا آدمی اے شوقؔ
ایک ذرا غم سے ٹوٹ جاتا ہے



قطعات

زندگی عظمتِ کردار بھی ہے
زندگی لمحۂ سرشار بھی ہے
زندگی صرف مسرّت ہی نہیں
زندگی کرب کا اظہار بھی ہے



زندگی پیار سے عبارت ہے
خدمتِ خلق بھی عبادت ہے
عجز و اخلاص اور وفا، ایثار
آج کے دور کی ضرورت ہے



ایک دل کے لٹنے سے، آپ کو ہے کیوں حیرت
زندگی میں کیا کوئی، حادثہ نہیں ہوتا
شوقؔ ان سوالوں پر، اِتنا غور مت کیجیے
ہر سوال کے پیچھے، فلسفہ نہیں ہوتا



قطعات

ہم ایسے ہیں متوالے ہر رنگ میں ڈھل جائیں
آجائیں اگر ضد پہ، پتھر بھی پگھل جائیں
غیروں سے گلہ کیسا، غیروں سے شکایت کیا
اپنوں کے یہاں پر جب انداز بدل جائیں



ٹوٹے نہ کہیں ڈر ہے یہ خوابوں کا بھرم بھی
پگھلیں نہ کہیں آہ سے پتھّر کے صنم بھی
یہ وقت ہے اور اس کی عنایت ہے سبھی پر
کیا ذکر یہاں شوق کا رسوا ہوئے ہم بھی



جلتے ہوئے چراغ نے رستہ دکھا دیا
جینے کا آج مجھکو سلیقہ سکھا دیا
ویسے بھی شوقؔ میں تو گنہگار ہوں مگر
اُس کے کرم کی آس میں دامن بڑھا دیا



قطعات

تمہاری یاد میں بھی دلکشی ہے
خوشی اور غم میں بھی وابستگی ہے
سمجھ میں آج تک آیا نہ ہم کو
ہماری زندگی میں کیوں کمی ہے



جنوں تحریر میں لاؤ
سخن کے پھول برساؤ
خرد کو آگہی دے کر
بھلے کچھ کام کر جاؤ



جو زندگی کے گیت سناتا رہا ہمیں
دیوانہ اپنی دھن پہ بناتا رہا ہمیں
آنکھوں میں اسکی جھیل نظر آ رہی ہے آج
کل تک ہر ایک پل جو ہنساتا رہا ہمیں



قطعات

لاکھ غم ہیں یہاں زندگی کے لئے
خون رونا پڑے گا ہنسی کے لئے
عزم و ہمّت اگر ہے تو ڈر کا ہے کا
کوئی مشکل نہیں آدمی کے لئے



دوستی بھی فریب کاری ہے
یار باقی نہ اُن کی یاری ہے
اک قیامت ہے دورِ حاضر بھی
موت کیا زندگی بھی بھاری ہے



ہم ہیں مجبور اپنی فطرت سے
تم ہو مجبور اپنی عادت سے
بات اُلجھی ہوئی سلجھتی نہیں
کام بنتے نہیں عداوت سے



قطعات

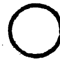
دل ہے اک گہرا سمندر جو اُتر جاؤ گے
کئی الجھان سے زخموں کا پتہ پاؤ گے
زندگی درد سہی، سوز سہی، ساز سہی
چھوڑ کر اُسکو بتاؤ تو کہاں جاؤ گے



شب، دل کا لہو پی کے پلی ہے نہ پلے گی
کاغذ کی بنی ناؤ چلی ہے نہ چلے گی
تم جانتے ہو تم کو تو معلوم ہے سب کچھ
آندھی میں کوئی شمع جلی ہے نہ جلے گی



ہر سمت محبت کی ضیا دیکھ رہا ہوں
کانٹوں پہ بھی پھولوں کی قبا دیکھ رہا ہوں
ہر شخص کے چہرے پہ مسرّت کا ہے غازہ
اخلاص کو یوں جلوہ نما دیکھ رہا ہوں



قطعات

خوشی کی آس لئے غم میں جل رہا ہوں میں
جلا کے شمعِ تمنّا پگھل رہا ہوں میں
نہ پیچ و خم پہ نظر ہے، نہ غم ہے رہزن کا
سفر عزیز ہے چلنا ہے چل رہا ہوں میں



وقت، شعلہ ہے وقت ہے شبنم
وقت میں کائنات بھی ہے ضم
وقت کا تم مزاج پہچانو!
وقت ہے زخم، وقت ہے مرہم



خورشید کی مانند پگھلتے تو رہے ہیں
ہر شب کو قمر بن کے نکلتے تو رہے ہیں
تاریخ میں یہ تذکرہ آئے گا یقیناً
حالات کو ہم لوگ بدلتے تو رہے ہیں



متفرق اشعار

غمِ حیات نے جب بھی مجھے پکارا ہے
ترا کرم ہی بنا آخری سہارا ہے



بروزِ حشر، خطائیں معاف کروانے
ہر اُمتی کے لئے آپؐ آسرا ہوں گے



جب بھی دیتا ہے کوئی قربانی
اُس پہ ہوتا ہے فضلِ ربّانی



کتابوں سے کچھ ایسا واسطہ ہے
دریچہ ذہن کا روشن ہوا ہے

وہ ایک لمحہ، جو سرمایۂ حیات بنے
اُس ایک لمحے کا، اب تک ہے انتظار مجھے



○

جو اجڑتی ہے تو بستی نہیں، بستی کی طرح
دل کی بستی بھی مرے دوست عجب بستی ہے

○

کس طرح اب نجات پاؤں میں
ہر طرف مکڑیوں کا جالا ہے

○

اُن کی آنکھوں میں وفا کی خوشبو
کوئی تحریر چھپائے جیسے

○

پھر مہکنے لگا خوابوں کا گگن
پھر کوئی یاد ستائے جیسے

○

مصیبت زندگی میں کم نہیں ہے
اگر ہو حوصلہ تو غم نہیں ہے

○



اک تماشہ ہے زندگانی بھی
یہ حقیقت بھی ہے کہانی بھی



غم کے احساس کو خوشیوں میں بدل جانے دو
ہو جو ممکن تو اُسے پیار میں ڈھل جانے دو



وقت پر جو نگاہ کرتا ہے
وقت اُس سے نباہ کرتا ہے



وہ ایک لمحہ جسے حُسنِ آرزو کہیئے
اُس ایک لمحے کو حرفِ غزل بنادوں گا



گرد ہی گرد ہے یہاں ہر سو
آئینوں کی کسے ضرورت ہے



○

عشق میں ہوتے نہ منصورؔ اگر دیوانے
جذبۂ شوقؔ بھلا دار پہ چڑھتا کیسے

○

کہیں گر موت مل جائے تو پوچھوں
کہ اُس کو زندگی سے کیا گلہ ہے

○

جنابِ شوقؔ موت اور زندگی میں
فقط دو ہی قدم کا فاصلہ ہے

○

اپنی سانسوں کے آس پاس کہیں
اِک مہکتا گلاب دیکھا تھا

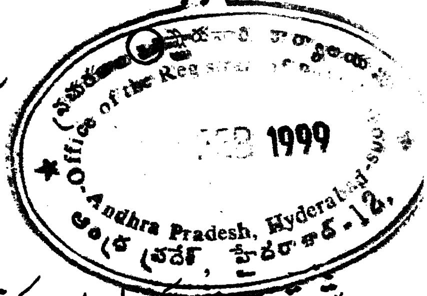
○

اُن کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہا
شوقؔ نے دِن میں خواب دیکھا تھا

○

○

شوقؔ زباں پر قابو رکھو
بات کو پہلے تولو بابا



○

کوئی غنچہ نہ جلے گلشن میں
شوقؔ ایسا ہو سہانا موسم

○

شوقؔ سخن کی راہ میں اکثر
خود کو کھوکر ہی کچھ پائے

○

شوقؔ فکر و فن کے نام
چھوڑئیے کچھ تو نشاں

○

شوقؔ محفل میں مچلتے ہوئے ارماں کی طرح
اک غزل اور سناؤ تو کوئی بات بنے

○